ادارہ شمارہ
الحق
اشاعت اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ
سرپرست
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق مدظلہ
16
3-2

اے۔ بی۔ سی (آڈٹ بیورو اف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر- دار العلوم : ۴

فون نمبر- رہائش : ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۱۶

شمارہ نمبر : ۲، ۳

مدیر ـــــ سمیع الحق

صفر ۱۴۰۱ھ

نومبر۔ دسمبر ۱۹۸۰ء

اس شمارہ میں

بدل اشتراک ۔ پاکستان میں سالانہ ۲۵/ روپے فی پرچہ ۲/۵۰ روپے۔ بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

مہمان اداریہ

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ

پندرھویں صدی ہجری کا پیغام

چودھویں صدی کے وسط کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جب عالمِ اسلام میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی روشنی نظر نہیں آتی تھی، بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی، اور بقول اقبالؔ ؎

عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

عالمِ اسلام میں ایک طرف نمایاں طریقہ پر سیاسی شعور بیدار ہوا، غیر ملکی اقتدار کے خلاف جا بجا آزادی کا علم بلند کیا گیا، جس کے نتیجہ میں مصر، شام (اپنے تمام حصوں کے ساتھ) عراق، لیبیا، تونس، الجزائر اور مراکش آزاد ہوئے، افریقہ میں نئی نئی مسلم حکومتیں قائم ہوئیں، انڈونیشیا اور ملیشیا نے آزادی حاصل کی، پاکستان کی عظیم اسلامی مملکت کا وجود عمل میں آیا، ہندوستانی مسلمانوں نے جنگِ آزادی میں شریک ہوکر اور قربانیاں دے کر، سیاسی شعور اور حب الوطنی کا ثبوت دیا اور بالآخر دنیا کے سیاسی نقشہ پر ۴۵ سے اوپر آزاد مسلم ممالک اور سلطنتیں نمودار ہوئیں، جن میں سے ۴۲ اقوام متحدہ کی ممبر ہیں اور ان کے جھنڈے یونائٹیڈ نیشن کی پرشکوہ عمارت پر لہرا رہے ہیں، مسلمان اقوام متحدہ میں بھی اور بین الاقوامی مسائل و مذاکرات میں بھی اور دنیا کے سیاسی ترازو کے پلڑے میں بھی اپنا ایک خاص وزن رکھتے ہیں، اور اگر ان کا سیاسی شعور بالغ اور ان کو اپنی سیاسی طاقت و وزن کا احساس ہو، اور وہ متحد ہو جائیں، تو دنیا میں بہت سی ناانصافیوں کو روک سکتے ہیں، بہت سی کمزور اور مظلوم قوموں اور ملکوں کی مدد کر سکتے ہیں، اگر خدا ان کو خداترس مخلص قائد و سربراہ عطا فرماتے یا اس کے قائدین اور سربراہانِ مملکت کو توفیق اور ہدایت نصیب فرمائے، تو وہ ان اسلامی ممالک اور اپنے دائرۂ حکومت میں صحیح اسلامی حکومت قائم اور نظامِ شرعی کو نافذ اور جاری کر سکتے ہیں اور اپنی قلمرو اور حدودِ حکومت میں وہ معیاری مسلم معاشرہ، اور وہ پاکیزہ، بلند کردار، اطاعت شعار، ذمہ دار اخلاقی و روحانی ماحول پیدا کر سکتے ہیں جس کی مثالیں صرف تاریخ کے صفحات میں صدیوں کے فاصلہ سے نظر آتی ہیں، اور جن سے دنیا یکسر مایوس اور خود مسلمان غافل اور مستغنی ہو چکے ہیں، اور جو آج بھی ذہنِ انسانی کو چونکانے اور مغرب و مشرق کے بلاکوں کو مسئلہ پر غور کرنے پر مجبور اور اشاعتِ اسلام کے لئے ایک نیا راستہ ہموار کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ اپنے سیاسی وزن و اہمیت کا صحیح استعمال

کرنے کا عزم کرلیں، اور اپنے فرائض و ذمہ داریوں کا مکمل طریقہ پر احساس کریں تو وہ اس انسانیت کو بھی تباہی سے بچا سکتے ہیں جس کی قسمت کے مالک بہ زعم خود مغربی و مشرقی بلاک بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی وہ اپنی دانش مندی، اتحاد اور اخلاقی طاقت سے نہ صرف اپنے ملی حقوق کا تحفظ کر سکتے ہیں، بلکہ ہندوستان کو بھی ایک نئی اخلاقی روحانی قیادت عطا کرکے اس عام تباہی سے بچا سکتے ہیں، جو روز افزوں سیاسی انتشار اور خطرناک اخلاقی بحران کی بنا پر اسکی طرف منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی ہے۔

دوسری طرف عالم اسلام میں وہ چند وسیع وطاقتور، اصلاحی، فکری اور انقلابی تحریکیں پیدا ہوئیں، جن کی نظیر اپنی وسعت وقوت میں ماضی قریب میں بھی ملنی مشکل ہے۔ ان تحریکوں کا ایک درخشاں اور امید افزا پہلو یہ ہے کہ وہ ایک طرف خواص، ذہین، (INTELLECTUAL) طبقہ کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اور اس طبقہ کو مطمئن کرنے اور اس کا اسلام پر اعتماد بحال کرنے کے لئے، واضح اور پر کشش علمی مواد فراہم کرتی ہیں، دوسری طرف ان کا دائرہ جغرافیائی حدود سے آزاد ہے۔ اور وہ عالم اسلام کے ایک بڑے رقبہ میں پھیلی ہوئی ہیں، یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ ان تحریکوں سے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ پہلی مرتبہ نہ صرف متاثر بلکہ اپنے دیرینہ سال ہم مذہبوں کے مقابلہ میں ان کا زیادہ پرجوش داعی اور مبلغ ہے۔ اس سلسلہ میں مصر کی عظیم وطبلی تحریک "الاخوان المسلمون" ترکی کی نوری تحریک وجماعت، اردن وفلسطین کی تحریک "حزب التحریر"، انڈونیشیا کی ماشومی پارٹی، برصغیر کی عالمگیر تبلیغی دعوت اور تحریک جماعت اسلامی کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے جن سے خواہ کسی کو کلی اتفاق نہ ہو، ان کی اثر انگیزی اور وسعت ومقبولیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تعلیم یافتہ طبقہ اور نوجوانوں میں اس ایمان افروزی، ہمت آفرینی اور خود شناسی میں اقبال کے ولولہ انگیز اور خیال افروز کلام کا بھی بڑا دخل ہے، جسکی (اپنی قوت وتاثیر اور عالمگیری میں) پچھلی صدیوں کے اسلامی ادب وشاعری میں مثال نہیں ملتی۔

پندرھویں صدی اب پورے عالم پر سایہ فگن ہوگئی ہے، اگر ملت اسلامیہ اور عالم اسلام اس عظیم سرمایہ اور اس اعتقادی، فکری، علمی، سیاسی، طبعی اور انسانی ثروت وصلاحیت، طاقتور تحریکوں اور کثیر التعداد آزاد ملکوں اور وسیع سلطنتوں سے بھی محروم ہوتا جسکی طرف کچھ مختصر اشارے اوپر کئے گئے ہیں، تب بھی خدا کی رحمت سے مایوس ہونے کی ضرورت نہ تھی کہ اس کے پاس قرآن مجید کا یہ صحیفہ اور اللہ کا آخری اور ابدی دین (اسلام) موجود ہے، جسکی وجہ سے ہر زمانہ میں ملت کے تن مردہ اور قلب افسردہ میں زندگی کی نئی روح پیدا ہوتی رہی ہے۔ اور معجزات و عجائبات کا ظہور ہوتا ہے۔

پھر مسلمان ہی اس دور میں تنہا انسانیت کی امیدوں کی پناہ گاہ، خدا کا آخری پیغام اور انسانیت کے امین و پاسبان ہیں، شاید یہ صدی ایک ایسا فیصلہ کن موڑ لائے جو پورے عالم انسانی پر اثر انداز ہو، اللہ کی رحمت سے

ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے ، انسانیت کی زبوں حالی ، انسانوں کی ذلت و نگوں ساری ، اپنے آخری نقطہ پر پہنچ چکی ہے ۔ یہی وقت ہوتا ہے جب رحمت الٰہی ، بلکہ غیرت الٰہی کو حرکت ہوتی ہے اور دنیا میں کوئی بڑا انقلاب آتا ہے ۔

مغربی تہذیب کو پورے طور پر گھن لگ چکا ہے ۔ وہ اب محض اپنی صلاحیت اور زندگی کے استحقاق کی بنا پر نہیں جی رہی ہے ، بلکہ اس لئے کہ بدقسمتی سے کوئی دوسری تہذیب اسکی جگہ لینے کے لئے تیار نہیں ، اس وقت جتنی تہذیبیں یا قیادتیں ہیں یا مغربی تہذیب کی لکیر کی فقیر ، اور اسکی ایک روکھی پھیکی تصویر ہیں ۔ یا اتنی کمزور اور شکست خوردہ ہیں کہ اس سے آنکھیں نہیں ملا سکتیں ، اب اگر اسلامی ممالک اور عالم اسلام مجموعی طور پر اس خلا کو پر کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے جو مغربی تہذیب کے خاتمہ سے عالم انسانی میں پیدا ہوگا ، تو اس کو دنیا کی امامت کا دوبارہ منصب تفویض کیا جا سکتا ہے ۔ جو سنۃ اللہ کے مطابق ایک جری و قوی اور تازہ دم ملت یا قیادت کے سپرد کیا جاتا رہا ہے ۔

اب ان قائدین کو یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ کیا مغرب کی دائمی غاشیہ برداری اور کشکول گدائی مناسب ہے ۔ یا دنیا کی رہنمائی کا منصب عالی اور عالم انسانی کی ہدایت کی مسند رفیع جس سے (نبوت کے بعد) بڑھکر کوئی سرفرازی اور سربلندی نہیں ، کیا اس کے لئے ظاہری نام نمود ، عہدہ و منصب ، لذت و راحت ، اور مادی و جسمانی ترغیبات کی قربانی کوئی حقیقت رکھتی ہے ۔ اگر اس کے لئے تن و جانیں بھی قربان کی جائیں تو درحقیقت گھاٹے کا سودا اور زیاں و نقصان کا معاملہ نہیں ۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

میں اپنے اس مختصر جائزہ اور اس مخلصانہ پیغام کو اقبال کے ان روح پرور اور حیات آفریں اشعار پر ختم کروں گا ، جن میں انہوں نے مسلمان کو مخاطب کرکے کہا ہے ۔

ناموس ازل را تو امینی تو امینی — دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی — صہبائے یقین درکش و از دیر گماں خیز

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز

مدیر الحق کے سفر نامۂ چین کا بہت سے احباب بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں ۔ افسوس کہ مدیر الحق کی گوناگوں مصروفیات اور مشاغل کی وجہ سے یہ سلسلہ تاحال شروع نہیں کیا جا سکا ہماری پوری کوشش ہوگی کہ اگلے شمارہ سے اس کا سلسلہ شروع کیا جا سکے ۔ (ادارہ)

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

علم و عمل

فارغ التحصیل طلبا کو خطاب کا ایک اقتباس

میں نے آپ کو ابتداء میں ذکر کیا تھا کہ میں نے یہ حدیث بخاری شریف شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ مولانا حسین احمد مدنیؒ سے یہ بخاری شریف اور ترمذی شریف قراءتاً وسماعتاً پڑھ لیں۔ انہوں نے یہ دونوں کتابیں حضرت شیخ الہند سے پڑھی ہیں۔ اور حضرت شیخ الہندؒ نے یہ کتابیں بانی دارالعلوم دیوبند حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے پڑھی ہیں۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے یہ کتابیں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی سے پڑھی ہیں۔ اور شاہ عبدالغنی مجددی نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ سے پڑھی ہیں۔ ترمذی کا سند ابتداء کتاب میں مذکور ہے۔ اور بخاری شریف کا بقیہ سند ابتداء میں مذکور ہے۔ اور میں نے آپ کو بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ آپ اس کو یاد رکھیں حضرۃ مدنیؒ نے اپنے کمال شفقت و محبت سے ہمیں آخر سال میں تمام احادیث کے پڑھنے پڑھانے کی اجازت دی تھی۔ بشرطیکہ آپ مطالعہ کریں۔ اور من کذب علی متعمداً فلیتبوّا مقعدہ من النّار سے اپنے آپ کو بچائیں۔ یہ دین بہت بڑی امانت ہے۔ اور امانت کے ضیاع کے بارے میں آپ کو معلوم ہے۔ لا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ - یہ دین امانت ہے اور آپ کے سروں پر سند اور ختم بخاری کی پگڑی جو باندھی گئی یہ آپ کو عظیم امانت سپرد کر دی گئی۔ آپ یہ امانت محفوظ رکھیں جیسا کہ اللہ نے دین نازل فرمایا ہے حضرت جبرئیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان فرمایا ہے: اور آج تک ہم کو اکابرین نے پہنچایا ہے۔ یہ آپ اپنی زندگی کے آخری سانس تک بغیر ترمیم و تحریف بغیر زیادت و نقصان کے بغیر دنیوی اغراض کے لوگوں تک پہنچائیں گے۔ اور اپنا عملی نمونہ پہلے بتائیں گے۔

مجھ میں ضعف کی وجہ سے زیادہ کچھ کہنے کی گنجائش نہیں۔ اللہ تمام حاضرین کے درجات بلند فرمائے۔ خصوصاً تمام اساتذہ کرام تمام عملہ اور تمام طلبہ و فضلاء کو اللہ اجر عظیم عطا فرمائے۔ اور دارالعلوم کے وہ تمام معاونین و محسنین ہر ملک کے لوگ جو مالی جانی قولی امداد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مال، اولاد اور عمر میں برکت ڈالے۔ جنہوں نے دعاؤں کے بارے میں لکھا ہے۔ اللہ ان کے مقاصد کو پورا فرمادے۔

حکومت و سلطنت مقصد ہے یا وسیلہ؟

حضرت علیؓ کا ایک اثر

حسب وعدہ والد مرحوم حضرت مولاناؒ کے علمی نایاب مضامین سے ایک مضمون بھیج رہا ہوں جو درحقیقت موجودہ دور کیلئے اور حالات کے پیش نظر ایک اہمیت رکھتا ہے۔ مضامین رئیس الاحرار کے عنوان سے کتاب زیر کتابت ہے۔ چھپتے ہی ارسال خدمت کروں گا۔ (محمد احمد رحمانی۔ لدھیانہ)

سلطنت امور دنیا میں سے ہے

کچھ عرصہ سے یہ بحث چل رہی ہے کہ مذہب کو سیاست سے جدا رکھنا چاہئے۔ یہ بحث یورپ سے اٹھی۔ ہندوستان اور ایشیا کے سبھی ممالک نے اس کا بہت حد تک اثر قبول کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیاست میں سچائی اور انصاف کو ختم کر دیا جائے یعنی حصول حکومت بلکہ حصول اقتدار کیلئے جو بھی کچھ کیا جائے وہ جائز ہے۔ مسلمانوں کے ایک طبقہ نے اسے نظریاتی طور پر صحیح نہیں سمجھا۔ علمی دنیا میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس نظریہ کا ظہور ہے۔ دوسری جماعت نے یہ کہا کہ مذہب اور سیاست ایک ہے اور اس نعرہ سے حصول اقتدار کی کوشش کرتی رہی اور کر رہی ہے۔

لفظ سیاست کو مذہب کے مقابلہ میں کب سے استعمال کیا جانے لگا اسکی تاریخ معلوم نہیں۔ البتہ تاریخ اسلام میں دین اور حکومت کا لفظ یقیناً مقابلہ میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ مدت تک میری طبیعت میں اس مسئلہ میں خلجان رہا۔ کیونکہ میرے ذہن میں یہ ہے کہ سلطنت ایک دنیوی کاروبار ہے۔ یہ نہ تو اسلام کے مقاصد میں سے ہے۔ نہ ضروریات دین میں اس کا شمار کیا گیا ہے۔ البتہ اس کے ذریعہ اگر عدل دنیوی قائم ہو اور مخلوق خدا کو انصاف ملے تو عدل قائم کرنے والے اللہ کے نزدیک مقبول ہوں گے۔ اور منشار ربوبیت کو پورا کرنے والے ہوں گے۔ حکومت و سلطنت اسی طرح دنیاوی کاروبار ہے۔ البتہ تجارت میں دیانت اور سلطنت میں عدل تاجر اور صاحب سلطنت کے لئے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور نجات کا سبب بن جاتے ہیں۔

۱۹۴۰ء کی نظر بندی کے دوران میں منٹگمری جیل میں "ازالۃ الخفا" دیکھ رہا تھا۔ حضرت علیؓ کا وہ قول نظر سے گذرا جس میں آپ نے خلافت کو امورِ دنیا میں سے قرار دیا ہے۔ پوری روایت یہ ہے جس سے مسئلہ پہ پوری طرح روشنی پڑ سکے گی۔

کان خرج ابو عمر فی الاستعاب عن الحسن البصری عن قیس بن عبّاد قال
قال لی علی بن ابی طالب انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مرض لیالی وایّاماً ینادی
بالصلوٰۃ فیقول مروا ابابکر یصلّی بالنّاس فلمّا قبض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
نظرت فاذا الصلوٰۃ علم الاسلام وقوام الدین فرضینا لدنیانا من رضی رسول اللّٰہ
علیہ وسلم لدیننا فبایعنا ابابکرؓ۔ (ازالۃ الخفاء) ص۱۴۸ مقصد اول فصل چہارم احادیث خلافۃ۔

ابو عمر نے استعاب میں حسن بصری سے روایت کی ہے وہ قیس بن عباد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے تھے مجھ سے حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات میں کچھ دن اور کچھ راتیں ایسی تھیں کہ جب اذان ہوتی تو آپ فرماتے کہ (اے لوگو) ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ پھر جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو میں نے اس بات پر نظر کی کہ نماز اسلام کی علامت ہے۔ اور دین کا ستون ہے۔ لہٰذا (جب ابوبکر اس میں ہمارے امام ہو چکے۔) تو ہم سب نے اپنی دنیا کے سردار ہونے کے لئے اس شخص کو پسند کر لیا جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کی (سرداری) کیلئے پسند فرمایا تھا — پس (بلا تکلف) ہم نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی۔

اس روایت سے یہ بات صاف ہو گئی کہ سلطنت اور خلافت ایک دنیاوی کاروبار ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ امورِ سلطنت اگر ایک عادل اور دیندار شخصیت یا جماعت کے سپرد کر دئے جائیں تو وہ اس کو اوامر و نواحی کی پابندی کے ساتھ چلانے کا اہتمام کریں گے۔

اسی لئے حضرت ابوبکرؓ کی دینی فضیلت کی وجہ سے ان کی خلافت کو فضیلت ہے۔ یہ بات نہیں کہ نفسِ خلافت کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کو کوئی فضیلت حاصل ہوئی اور یہ خلافت ان کو باعثِ افتخار ہو۔ البتہ ان کے عدل و انصاف کی وجہ سے اعمالِ حسنہ زیادتی کا سبب، رضاءِ الٰہی کا ذریعہ، خلقِ خدا کی راحت کا موجب ضرور ہے۔

حضرت شاہ عبدالحق صاحبؒ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ میں ابن حجر کی اسد الغابہ حسن بصریؒ کی روایت سے حضرت علیؓ کا مذکورہ قول ان الفاظ سے روایت کیا ہے۔

قال قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ابابکر وانّی صحیح غیر مریضٍ وانی شاھد
غیر غائبٍ ولو شاء ان یقدمنی رضینا لدنیانا من رضی اللّٰہ ورسولہ لدیننا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو امام بنایا اور انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی، میں بیشک موجود تھا غائب نہیں تھا۔ میں بھلا چنگا تھا۔ بیمار نہیں تھا اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے (امامت کیلئے) آگے کرنا چاہتے تو آگے کر دیتے۔ پس ہم نے اپنی دنیا کیلئے اسی کو پسند کر لیا جسکو اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے دین کیلئے پسند فرمایا۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر کا وہ مشورہ بھی ملاحظہ فرمایئے جو حضرت امام حسینؓ کو کتنے صاف اور فیصلہ کن انداز میں کوفہ کے سفر سے روکتے ہوئے خلافت کے معاملہ میں خاموشی کی تلقین کرتے ہوئے خلافت اور حکومت کو دنیا بتایا۔ قرائن سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ یہ مشورہ آپ نے مجمع صحابہؓ میں دیا اور اس پر نکیر نہیں ہوئی۔ قال لہ ابن عمرؓ لا تخرج فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرہ اللہ بین الدنیا والاخرۃ واختار الاخرۃ وانت بضعہ منہ ولا تنال بہا یعنی الدنیا (ماثبت بالسنۃ ص۳۳)

حضرت عبداللہ ابن عمر نے حضرت حسینؓ سے کہا کہ آپ کوفہ نہ جائیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کا اختیار کر لیا ہے۔ روایت ہے کہ بعد میں حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔ غلبنا حسین بالخروج ولعمری لقد رأی فی ابیہ واخیہ عبرۃ۔ حسین کوفہ جانے کے معاملہ میں ہم پر غالب آگئے۔ حالانکہ وہ اپنے باپ اور بھائی کے معاملہ میں عبرت حاصل کر چکے تھے۔ کہ انہیں دنیا یعنی خلافت نہیں ملی۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کو اختیار کر چکے تھے۔ یہ آخرت کے مقابلہ میں خلافت وسلطنت کا بیان کرنا کتنا زور رکھتا ہے۔ مجھے وہ لوگ معاف فرمائیں گے جو عبرت سے مراد اہل کوفہ کی بے وفائی مراد لیتے ہیں۔ بہرحال قرون اولیٰ میں خلافت وحکومت کو دین سے الگ شعبہ خیال کیا جاتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اہل دین واصحاب عدل کے اقتدار کے ساتھ اس کو دین بنا لیا جائے۔

آیئے اب ذرا اس مسئلہ میں ذرا قرآن مجید کی تلاوت کریں کہ وہ کیا رہنمائی دیتا ہے۔ اس دنیا میں رہنے والوں کو بتایا گیا ہے۔ کہ دار آخرت کس کا حصہ ہے۔ کون لوگ آئندہ زندگی اس کے مستحق ہوں گے۔ جو سلطنت کے طالب نہ ہوں۔

تلک الدار الاخرۃ نجعلہا للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا فساداً۔

یہ دار آخرت ہم ان لوگوں کو دیں گے جو نہیں چاہتے اپنی بڑائی ملک میں اور نہ بگاڑ ڈالنا۔

معلوم ہوا کہ علو فی الارض کا ارادہ بھی یعنی سلطنت کا حصول دین نہیں ہے ورنہ اسے مقاصد میں رکھا جاتا۔ البتہ اسکی طلب پر اس کے دنیا ہونے پر دال ہے۔ والعاقبۃ للمتقین فافہم۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید اس بات کو صاف کر رہا ہے کہ انہیں سلطنت کس حیثیت سے دی گئی۔ وکذلک مکنا لیوسف فی الارض یتبوأ منہا حیث یشاء نصیب

برحمتنا من نشاء ولا نضیع اجر المحسنین ۝ ولاجر الاخرۃ خیر للذین آمنوا وکانوا یتقون ۔ اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو زمین میں جگہ پکڑتا تھا اس میں جہاں چاہتا تھا۔ پہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے ہم بدلہ بھلائی والوں کا اور ثواب آخرت بہتر ہے ان کے لئے جو ایمان لائے اور رہے پرہیزگاری میں۔

غور کیجئے کہ اجر آخرت کو تمکین فی الارض کا ثمرہ نہیں فرمایا۔ البتہ اس کو اپنی رحمتوں میں ضرور شمار کیا ہے ۔ اور دنیا میں اعمال حسنہ کا اجر کہا ہے ۔

آپ ذرا اور باریک بینی سے کام لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آیت وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض ۔ وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں ۔
میں خلافت و حکومت کو ایمان وعمل صالح کا دنیوی ثمرہ فرمایا ہے ۔ پس اسے دین کہنا اپنا فہم ہے ۔ اور ایمان وعمل صالح پر اجر و ثواب یہ اخروی بدلہ ہے ۔ تاہم دنیا کی راحت وعظمت دنیا ہے ۔ جسے نصیب برحمتنا سے تعبیر کیا ہے ۔ اس سے زیادہ کیا بڑی دلیل ہوگی کہ بنی اسرائیل میں سوائے چند ایک مثالوں کے ہمیشہ نبوت اور حکومت کی تقسیم رہی ہے ۔ اسی لئے طالوت کو بنی اسرائیل کی درخواست پہ بذریعہ وحی ملک مقرر کیا گیا ۔ لیکن شموئیل علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام پر فضیلت نہیں دی گئی ۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔ کی قبولیت کے باوجود یا یوں کہئے کہ وصف سلطنت کی بنا پر ان کو افضل الانبیاء نہیں فرمایا اگر سلطنت اجزاء دین میں سے ہوتی تو اتنی بڑی سلطنت یقیناً باعث فضیلت ہونی چاہئے تھی۔

اوپر کی آیات و روایات سے معلوم ہوا کہ سلطنت دین کے اجزاء میں سے نہیں ہے ۔ بلکہ قرآن اس کے خلاف ہیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ عالم اسباب میں سلطنت بھی کبھی اشاعت دین کا وسیلہ ہوگئی ہو ۔ میرے سامنے خلافت راشدہ کے بعد چند ایک مثالیں ہی ایسی ہیں ۔ البتہ عدل وانصاف سلطنت میں یقیناً دین ہے ۔ جو ارباب اقتدار کے لئے ذخیرۂ آخرت ہوتا ہے ۔ اور اسلام ارباب اقتدار سے فقط قیام عدل کا مطالبہ کرتا ہے ۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوشیرواں غیر مسلم کی زمانہ سلطنت کی معاصرت پہ وصف عدل کی بنا پہ فخر فرمایا ۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ عدل وعفو ہی نے کئی بار غیر مسلموں کے قلوب کو ایمان کی روشنی سے جگمگایا ہے ۔ اور لا اکراہ فی الدین کے زبردست حکم کے باوجود سلطنت کے اقتدار سے کام لیتے ہوئے دین کی اشاعت کرنے کو روک دیا ۔

یاد رہے کہ میں اس بات کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ عظمت و اقتدار اہل دین اور اصحاب خلوص کے ہاتھ ہو جن کی زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کا پورا نظام نمایاں ہو ۔ جو اس زندگی کے بعد دوسری زندگی پہ یقین رکھتے ہوں کہ ہم سے ہمارے ہر عمل کا جواب طلب کیا جائے گا ۔ جو لوگ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف

وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ ۔ تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی ہیں عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے کاموں سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر کا صحیح مصداق ہوں۔ اور اوامر و نواہی کا پوری صدق دلی سے نفاذ کر سکیں۔ اور وہ لوگ ایسے ہوں جن سے خلقِ خدا کو بلا امتیاز مذہب وملت انصاف مل سکے۔ اور وہ لایجرمنکم شنأن قوم علیٰ ان لاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ ۔ اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے کی چلتی پھرتی تصویر ہوں۔

حاصل یہ ہے کہ امور عالم دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو اصول دین یا مقاصد دین میں سے ہیں۔ وہ عمل کی کمی یا نیّت کی خرابی کی وجہ سے نہ صرف ضائع ہو جاتے ہیں بلکہ کبھی کبھی موجب لعنت و عذاب بھی ہوتے ہیں۔ جیساکہ نماز کے متعلق آتا ہے کہ قیامت کے روز بعض لوگوں کے منہ پر ماردی جائے گی۔ دوسری قسم ان امور کی ہے۔ جو فی حد ذاتہ نہ دین ہیں اور نہ دین کے مقاصد میں سے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی حمایت واشاعت دین کا ذریعہ و وسیلہ بن جاتے ہیں وہ اسی لئے قابل قدر ہوتے ہیں۔ جیساکہ صرف ونحو ولغت و دیگر علوم متداولہ کے بغیر کتاب وسنت کا سمجھنا ناممکن ہے۔ وسیلہ ہونے کی وجہ سے ان علوم کو فضیلت و شرف حاصل ہوا ہے۔ اسی دوسرے قبیل سے سلطنت وحکومت اور اس کا حصول ہے۔ جبکہ اس میں عدل ہو، انصاف ہو، اور اس سلطنت و اقتدار حاصل کرنے والوں کی نیّت خالص اعلاء کلمۃ اللہ ہو۔

مجھے اپنے اس یقین کامل کے اظہار میں کوئی باک نہیں کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے۔ جو الیوم اکملت لکم دینکم۔ آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا کے اعلان کے بعد ہر انسان اور ہر قوم کو دینی و دنیاوی انفرادی واجتماعی زندگی کے لئے ایک مکمل دستور رکھتا ہے۔ اقتصادی معاشرتی الجھنوں کا حل اسی میں موجود ہے۔ اخلاق کا درس اور عمل علمی اور حقیقی بنیادوں پر یہی استوار کرتا ہے۔ سیاسی امور میں اسی کی رہنمائی سے دنیا میں امن قائم رہ سکتا ہے۔ اسی مذہب کے ضوابط وقواعد کی دینی و دنیوی امور میں پابندی اخروی نجات کا سبب ہوسکتی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سلطنت و اقتدار امور دنیا میں سے ہے۔ نہ امور دین میں سے ہے نہ عین دین ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام نے سلطنت کا دستور حقیقت پر مبنی اور فطرت انسانیہ کے مطابق وضع کیا ہے ورنہ اتممت علیکم نعمتی۔ اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا سے مراد سلطنت ہوتی اور غلام قوموں کا ایمان معتبر نہ ہوتا۔ رحمت خداوندی کا جوش دیکھئے کہ آزادی اور غلامی دونوں حالتوں کیلئے ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کیلئے پسند کر لیا ہے۔ ان سطور میں اسلام میں مذہب وسیاست کے صحیح مقام کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ عوام حکومت الٰہیہ، دینی اقتدار اور اسلامی سیاست کے پُرفریب نعروں سے مسحور ہو رہے ہیں۔ اس لئے میں عوام وخواص کو اس مسئلہ پر اس نہج سے سوچنے کی دعوت دیتا ہوں تاکہ حق کھل کر

سامنے آجاتے۔

وکذٰلک نفصل الآیات لعلھم یتفکرون

میں آخر میں اس بات کو پھر منقح کر دینا چاہتا ہوں کہ میری بات کی بنیاد میرے دعوے کی اصل حضرت علیؓ کا وہ قول رضینا لدنیانا من رضی رسول اللہ لدیننا۔ (یعنی ہم اپنی دنیا کے لئے اسے اپنا سردار بنایا جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کیلئے پسند فرمایا۔) ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اس بات کو ظاہر فرمایا ہے کہ سلطنت وحکومت امورِ دنیا میں سے ہے۔ امورِ دین میں سے نہیں ہے۔ آیات قرآنیہ حضرت علیؓ کے اس قول کی تائید کرتی ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حضرت علیؓ کے اس اثر سے آیات مذکورہ کے منشا تک ہمیں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ ان سے مفہوم ہوتا ہے کہ خلافت امورِ دنیا میں سے ہے امورِ دین میں سے نہیں ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر ہے کہ سلطنت کو کس نہج پہ چلانا چاہئے اس پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ ■■

بقیہ : شیخ سعدی لاہوری

ہے اور اس کی تربیت ہمارے ذمے ہے (اور) اس روز سے وہ (سعدی) ان کی تربیت میں رہ کر روز بروز ترقی کرتے رہے۔

حضرت سید بنوری کے دست حق پرست پر بیعت	حضرت سعدی کو خداوند کریم نے بے حد عنایات و نوازشات سے سرفراز فرمایا تھا اور ایسی استعداد سے نوازا تھا کہ ان کو تربیت وتلقین کی بھی ضرورت نہ تھی۔

حضرت سید آدم بنوری نے ایک بار ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"برب المعبود جل سلطانہ قسم است کہ اللہ تعالی بہ ارادہ ازلی استعداد تو چناں آفریدہ است و فطرت تو چناں خلقت کردہ است کہ خود بخود کار تو جاری است وہیچ موقوف بہ تلقین و تربیت من نیست۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔"

ترجمہ۔ خدا کی قسم اللہ تعالی نے اپنے ارادہ ازلی سے تیری استعداد ایسی پیدا فرمائی ہے اور تیری فطرت ایسی بنائی ہے کہ تیرا کام خود بخود رواں دواں ہے۔ اور میری تلقین و تربیت پر کچھ منحصر نہیں۔

بکشا دیدۂ انصاف نگہ انداز کہ جز او علم لدن کیست کہ دارد در بغلہ

(باقی دارد)

جناب احسان الدین صاحب
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور

مفسرِ قرآن شیخ محمد عبدہٗ

جدّت پسندی کے اسباب و محرّکات

شیخ محمد عبدہٗ کا طریقۂ تفسیر قدیم علماء سے یکسر مختلف تھا اور اس کے چند وجوہات تھے جن کا اثر محمد عبدہٗ پر پڑا۔ اور انہوں نے جدید طریقہ اختیار کیا۔

زمانہ طالب علمی میں محمد عبدہٗ کا نئے علوم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا لیکن جامعہ ازہر کے قدامت پسند شیخ ایسا کرنے سے منع کرتے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ جن حالات میں یہ علوم اسلامی بزرگان اسلاف سے چلے آتے ہیں۔ اس حالت میں بلاکم و کاست ان کو رہنے دیا جائے۔ دین کے ماخذوں میں آزادانہ تحقیق اور ان کے متعلق مجتہدانہ اظہار رائے کا دروازہ اسلام میں تیسری صدی ہجری کے وسط میں بند ہو گیا۔ لہٰذا دین اسلام کے ائمہ مجتہدین وہاں رہے۔ جو ایک بعید ماضی میں گذر چکے ہیں۔ بعد کی نسلوں کا کام یہ رہ گیا کہ جو کچھ آباؤ اجداد لکھ گئے ہیں اس کی تعبیر و تشریح کرتے رہیں۔ دوسرے علوم مثلاً ادب لطیف، تاریخ جغرافیہ اگرچہ الازہر وغیرہ مدارس میں سکھلائے جاتے تھے مگر ان کا طریقہ غیر مفید تھا۔[1]

محمد عبدہٗ نے چار سال تک جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کی لیکن نئے علوم حاصل کرنے اور غور و فکر کرنے کا کوئی طریقہ آپ کو نہ مل سکا۔ وہ اگرچہ مختلف شیوخ کے لیکچر سنتے لیکن دل کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ محمد عبدہٗ کی یہ عادت تھی کہ کسی مضمون کو اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک اسے سمجھ نہ لیتے۔ بلکہ اس کی تائید میں تمام دلائل بھی تلاش کرتے تھے۔ آپ خود کہا کرتے تھے کہ الازہر کے طریقۂ تعلیم سے اس کی ذہنی اور عقلی قوتوں کو نقصان پہنچا ہے۔ اگرچہ انہوں نے سالہا سال تک ان طریقوں کے اثرات سے اپنے دماغ کو پاک کرنے کی کوشش کی۔ لیکن پوری کامیابی پھر بھی حاصل نہ ہوئی۔[2]

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں مقالہ الازہر ص[2]

شیخ الازہر کا نئے علوم حاصل کرنے کے امتناع کا اثر | محمد عبدہ نے جب کبھی نئے علوم پڑھنے چاہے تو علماء اور شیوخ ان کو منع کرتے۔ ان کے اس امتناع سے آپ کو اور زیادہ شوق پیدا ہونے لگا۔ چنانچہ بعد میں رسالہ "واردات" کے دیباچے میں لکھا کہ جب میں نے اس امتناع پر غور کیا۔ تو مجھ پر منکشف ہو گیا۔ کہ جب کوئی شخص کسی چیز سے بے خبر ہوتا ہے تو اس سے نفرت ہونے لگتا ہے۔

سید جمال الدین کا اثر | آپ کی پہلی ملاقات سید جمال الدین سے ۱۸۶۹ء میں ہوئی جب کہ وہ قاہرہ میں مقیم تھے اور پہلی گفتگو تفسیر قرآن کا موضوع تھا۔ وہ باتیں جو محمد عبدہ کو الازہر میں حاصل نہ ہوئی تھیں سید جمال الدین سے حاصل ہوئیں۔ جب کہ سید صاحب خود نئے علوم سیکھنے کے حامی تھے۔ اور ہر بات میں غور و فکر کرنے کی ہدایت دیتے۔ چنانچہ محمد عبدہ ان کے شاگرد بن گئے۔

سید صاحب پہلے علماء اسلام کی ان کتابوں کو جو غفلت کی نذر ہو رہی تھیں پڑھتے اور ان کے متعلق طلبہ سے بحث کرتے۔ اور مختلف مضامین کے متعلق اپنے فاضلانہ اور دلکش گفتگو اور تبصروں سے حاضرین کو مسحور کرتے یہ طریقہ محمد عبدہ کو پسند آیا۔

علوم جدیدہ کا اثر | علوم جدیدہ نے بھی محمد عبدہ پر گہرا اثر کیا۔ منطق اور علوم جدید کی کتابوں کو پڑھنا ضروری قرار دیا۔ اور دفاع اسلام کے لئے عصر حاضر کے علوم سے استفادہ کرنے کو لازم ٹھہرایا۔ محمد عبدہ کا مقصد یہ تھا کہ مصریوں کی ایک نئی نسل وجود میں آجائے جو عربی زبان اور علوم اسلامیہ کا احیا کرے۔ اور مصری حکومت کی بھی اصلاح کرے۔ محمد عبدہ مستقبل کے حالات کو بہتر بنانے کی غرض سے تعلیم پر اصرار کرتے تھے۔ طریقۂ تعلیم پر نکتہ چینی کیا کرتے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ قوم کی ترقی صرف افراد کی ترقی سے انجام دی جا سکتی ہے۔ رسوم بتدریج تبدیل ہونے چاہئے۔ عوام کے خیالات و اعمال کی اصلاح قوم کا اہم ترین فریضہ ہے[1]

محمد عبدہ نے رشوت کی مذمت کے متعلق جو مقالہ لکھا ہے اس میں قوم کے ان رسوم و اعمال کا ذکر ہے جن کی اصلاح از حد ضروری ہے۔ آپ نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ کہ چھوٹے چھوٹے معاملات میں عدل و انصاف حاصل کرنے کی غرض سے رشوت عام رائج ہے۔ اسی طرح ازدواجی زندگی، محکمہ اوقاف کی بدعتوں اور قومی سیاسی زندگی کے بارے میں اظہار رائے کیا ہے۔ محمد عبدہ چاہتے تھے کہ دین اسلام کے رشتے کے ذریعے تمام اسلامی ممالک کو متحد ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا رشتہ ہے۔ جو نسل و قوم کے تمام امتیازات کو ختم کر دیتا ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب کی طرح نہیں بلکہ موجودہ اور آئندہ زندگی دونوں کے متعلق ہدایت دیتا ہے۔

---

[1] تاریخ الاستاد جلد ۲۔ اہل علم کی غلطی پر مقالہ

یعنی شریعت میں فی الدنیا حسنۃً وفی الآخرۃ حسنۃ دونوں کا بندوبست کرنا ہے۔[1]
اصلاح کا کام سرانجام دینے کے لئے محمد عبدہ عقائد کی اصلاح کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ایران، ہندوستان، عرب، مصر کے تمام مسلمانوں سے ان غلطیوں کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ جو دین کی بنیادی چیزوں کو غلط سمجھنے کی وجہ سے مسلمانوں میں راسخ ہو چکی تھی۔ ان تمام مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر محمد عبدہ کی تفسیر میں تجدد کا رنگ نمایاں ہے چنانچہ ان کے کام کا یہ تصور آپ کے دیگر تحریروں میں بھی واضح ہے۔ اس مقصد کا جلوہ ان کی تفسیر القرآن "المنار" میں بھی دکھائی دیتا ہے جس کے متعلق گولڈ زیہر کا خیال ہے کہ یہ تفسیر قرآن ان دینی تعلیمات کا مظہر ہے جس کی تبلیغ سید جمال الدین افغانی اور مفتی محمد عبدہ کرتے ہیں۔[2]

سید جمال الدین افغانی کا اثر آپ کی تعلیم پر | سید جمال الدین افغانی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی وساطت سے آپ کی توجہ علم کے وسیع خزانوں اور نتیجہ خیز علمی کوششوں کی طرف مبذول ہو گئی۔ محمد عبدہ اپنے رسالہ "الواردات" میں لکھتے ہیں۔ کہ انہیں علم سے بے انتہا محبت تھی جس کی حصول میں وہ جوش و خروش سے منہمک رہے۔ جمال الدین کے ذریعہ انہیں علم کے تجسس میں اطمینان حاصل ہوا۔ جب پہلی بار محمد عبدہ سید جمال الدین افغانی سے ملنے گئے۔ تو انہوں نے تفسیر و قرآن کی موضوع پہ گفتگو کی۔ اور قدیم مقلد مفسرین کا ذکر کیا۔ اور ان کے تفسیروں کے مطالعہ پر بحث کی۔ سید صاحب اپنی تعلیم و تدریس میں قدیم علمار ائمہ کی آرا کے متعلق جس آزادی فکر و نقد کو روا رکھتے تھے اس کا بہت گہرا اثر محمد عبدہ پر پڑا۔ تقریر و خطابت کی مشق بھی کرواتے تھے۔ چنانچہ محمد عبدہ تھوڑی ہی مدت میں خطیب کے حیثیت سے اپنے استاد سے بھی سبقت لے گئے۔ (بحوالہ اسلام و تجدد مصر میں)

محمد عبدہ بحیثیت معلم | محمد عبدہ نے جو تربیت سید جمال الدین افغانی سے حاصل کی تھی۔ اس کے زیر اثر اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد دوسروں کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو جانا ان کے لئے ضروری تھا۔ چنانچہ ازہر میں بہت سے موضوعات پر لیکچر دیتے اور دینی مضامین کی تعلیم اس طریقہ سے دینے لگے جو سید صاحب سے اخذ کیا تھا۔ ابن مسکویہ کی تہذیب الاخلاق پہ خطبات دیتے۔ جو کہ فلسفہ اخلاق کی ایک قابل قدر کتاب ہے۔ ۱۸۷۸ء میں ریاض پاشا وزیر اعظم مصر کی کوشش سے شیخ محمد عبدہ دارالعلوم کے مدرسہ میں تاریخ کے معلم مقرر کئے گئے۔
یہ مدرسہ خدیو اسماعیل کے وزیر تعلیم نے قائم کیا تھا
شیخ محمد عبدہ نے ابن خلدون کے مقدمے پر لیکچر دینے شروع کئے۔ اور قوموں کے عروج و زوال کے اسباب

---

[1] تاریخ الاسلام حصہ دوم ص ۲۳۱ [2] "اسلام میں نسل و دین"

اور انسانی معاشرے کی تہذیب و تنظیم کے اصول پر اپنے خیالات کا اضافہ کیا جس وقت خدیو اسماعیل معزول ہو گیا اور اس کا بیٹا توفیق پاشا تخت پر بیٹھا تو اس نے جمال الدین افغانی کو مصر سے نکال دیا۔ اور محمد عبدہٗ کو دار العلوم اور خدیو کے مدرسے سے برطرف کر کے اپنے گاؤں میں گوشہ نشین ہونے کا حکم دے دیا۔

بحیثیت صحافی | جب جناب محمد عبدہٗ کو برطرف کیا گیا تو وزیر اعظم ریاض پاشا مصر میں موجود نہیں تھے جب وہ واپس آئے تو انہوں نے شیخ محمد عبدہٗ کو حکومت مصر کے سرکاری اخبار الوقائع المصریہ کے ایڈیٹروں میں شامل کیا۔ اس کے بعد چیف ایڈیٹر بن گئے۔ تمام اخباروں کو سنسر بھی کرنے جو ملک سے شائع ہوتے۔ اخبارات کو تنبیہ کرنے کو بھی ان کو حق تھا۔ عربی اخباروں میں بلند ادبی معیار پر اصرار کرتا۔ اس طرح سے محمد عبدہٗ نے احیائے ادب کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۸۱ء میں سررشتہ تعلیم کی ایک کونسل قائم کی گئی جس کو انتظامی اختیارات سونپے گئے اور محمد عبدہٗ نے ایک محکمہ ادبی قائم کیا جس میں وہ اور ان کے رفقاء کار مقالات لکھتے۔ اور رائے عامہ کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ کہتے تھے کہ قوم کی ترقی صرف افراد کی ترقی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور رسوم کو آہستہ آہستہ سے بدلنا چاہیئے۔ بچوں کی ابتدائی تعلیم کو بہتر بنانا ضروری ہے (تعلیم کا اثر مذہب پر اور مذہب کا عقائد پر۔ تاریخ حصہ دوم)

جلاوطنی | محمد عبدہٗ ۱۸۸۲ء میں مصر سے جلاوطن کر دیا گیا۔ تو آپ شام میں آئے اور بیروت میں قریباً ایک برس رہے۔ سید جمال الدین افغانی نے اسے پیرس بلایا۔ آپ پیرس میں سید صاحب کے ساتھ دس ماہ تک رہے محمد عبدہٗ اور جمال الدین افغانی نے ایک اخبار "العروۃ الوثقیٰ" شائع کرنا شروع کر دیا جس کی غرض تمام مسلم ممالک بیدار کر کے ان کے رائے عام کو متحد کرنا مقصود تھا۔ العروۃ الوثقیٰ اگرچہ جلد ہی بند کر دیا گیا۔ مگر اس نے بہت کامیابی حاصل کی۔ اس اخبار میں تمام مسلم ممالک کو متحد کرنے کی اپیل تھی۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ دین اسلام ہی کے رشتہ سے تمام مسلمان متحد ہو کر رہ سکتے ہیں۔ اسلام ہی نسل و قوم کے امتیازات کو محو کرتا ہے۔ ہر مسلمان حکمران شریعت اسلامی کی حمایت سے دنیائے اسلام میں بڑے سے بڑا امتیاز حاصل کر سکتا ہے۔ اور آئندہ زندگی کے علاوہ موجودہ زندگی میں بھی باعث رحمت و برکت ہے[1]۔ اس اخبار کا لہجہ چونکہ بہت تیز و تند تھا۔ اس لئے اسے بند کر دیا گیا جب محمد عبدہٗ واپس بیروت تشریف لائے۔ تو وہاں سیرت رسولؐ پر تقریریں کرتے تھے اور تفسیر و قرآن پر خطبات دیتے تھے۔ تقریباً ساڑھے تین سال تک بیروت میں مقیم رہے۔ بعد میں توفیق پاشا نے اس کی جلاوطنی کا حکم منسوخ کیا اور آپ ۱۸۸۹ء میں مصر واپس آ گئے۔

سید محمد رشید رضا لکھتے ہیں :۔ کہ جلاوطنی کی زندگی محمد عبدہ کے لئے بڑی بابرکت ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس سے

---

[1] "تاریخ الاستاذ" حصہ دوم ۲۳۱۔ اسلام میں نسل دین

اس کی علم وفضل کی تکمیل ہوئی۔ اور انہیں بہت سے ملکوں میں اپنے خیالات پھیلانے کا موقع مل گیا۔ محمد عبدہٗ نے مصر میں واپس آکر پھر دین وطن کی اصلاح کی طرف اپنی کوشش مبذول کر دی۔

محمد عبدہٗ مفتی مصر مفتی محمد عبدہٗ جب مصر کے مفتی اعظم مقرر ہوئے۔ تو سارے سلطنت میں شریعت اسلامی کے سرکاری ترجمان تسلیم کئے گئے۔ مفتی صاحب نے عام لوگوں کے لئے بھی استفتا کے دروازے کھول دئے۔ انہوں نے دوران عہدہ بہت سے فتوی صادر کئے۔ ان تمام فتووں میں اس خواہش کا نمایاں اظہار تھا۔ کہ دین اسلام موجودہ تہذیب کی ضروریات سے قطعی مطابقت رکھتا ہے۔ ان فتووں کے وجہ سے محمد عبدہٗ تمام اسلامی ممالک میں مشہور ہوگئے۔ محمد عبدہٗ کہتے تھے کہ عربی زبان دین اسلام کی بنیاد ہے ملت اسلامیہ اس وقت تک عروج حاصل نہیں کرسکتی۔ جب تک اس کی زبان ترقی نہ کرے لہذا اگر دین کی اصلاح منظور ہے تو عربی زبان کی اصلاح بھی بہت ضروری ہے۔

بقیہ: مدارس عربیہ

کو شعوری طور پر سمجھ سکے گا۔ اور مغرب سے مرعوبیت کا خطرہ باقی نہیں رہے گا۔

میری ان معروضات کا خلاصہ یہ ہے۔

عربی مدارس کے لئے حکومت نے جو جدید علوم کا نصاب تجویز کیا ہے اسے اپنایا جائے۔

اس نصاب کی کتابیں عربی مدارس کی تنظیم وفاق المدارس کے تحت تالیف کی جائیں۔

اس نصاب کی تدریس کے لئے سرکاری مدارس کے تربیت یافتہ اساتذہ نہ لئے جائیں بلکہ وفاق کے تحت ایک تربیت گاہ قائم کرکے اپنے اساتذہ تیار کئے جائیں اور ____ آخری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ درس نظامی کے فارغ التحصیل اساتذہ میں سے ایک معقول تعداد کا انتخاب کرکے انہیں مشورہ دیا جائے۔ کہ وہ بی اے کے نصاب میں داخل معاشیات وغیرہ علوم کی کتابوں کا از خود مطالعہ کریں۔ اور حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ حکومت یونی ورسٹیوں کے تحت ہونے والے سالانہ امتحانات میں ان اساتذہ کو ان مضامین میں شریک ہونے کی اجازت دے جو حکومت نے تجویز کئے ہیں اور کامیابی کی صورت میں انہیں بی کی اسناد اور حقوق ومراعات دے۔ اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ حکومت کے اس فیصلے کے بارے میں عربی مدارس کا اعتماد اور یقین پختہ ہو جائے گا کہ حکومت واقعی عربی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات کو ذمہ داریوں کا اہل سمجھتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ عربی مدارس میں جدید علوم کی تدریس کے لئے اساتذہ کا سلسلہ حل ہو جائے گا۔

خدا ہم سب کو نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کی توفیق دے۔ آمین

وفیات اور تعزیت

پچھلے کچھ عرصہ میں ہمارے بہت سے ایسے مخلص واقفین احباب واکابر رحلت فرماگئے جن کی وفات سے علمی ودینی ادبی اور تبلیغی حلقوں کو نقصان پہنچا۔ افسوس کہ ہم بروقت الحق کے ذریعہ اظہار تعزیت نہیں کرسکے۔ ان مختصر سطور کے ذریعہ قارئین سے دعائے مغفرت کی اپیل کرتے ہوئے مرحومین کے رفع درجات کی دعا کرتے ہیں۔ الحق اور دارالعلوم حقانیہ متعلقہ تمام حلقوں سے تعزیت کر رہا ہے۔

—— سمیع الحق ——

حکیم مولانا عبدالحئی | بھوئی گاڑھ ٹیکسلا کے مولانا حکیم عبدالحئی صاحب فاضل دیوبند۔ علم وعمل کا مجسمہ تواضع اور سادگی میں اکابر دیوبند کی نشانی روحانی علاج کے ساتھ ساتھ جسمانی امراض کے معالجہ میں اللہ تعالیٰ نے تجربہ دیا تھا۔ اجلاس دیوبند کے سلسلہ میں سفر کے دوران حادثہ پیش آیا، زخمی ہوئے اور چند ماہ بعد وصال فرماگئے۔

مولانا محمد حیات | فاتح قادیان وربوہ عمر بھر مرزائیت کے تعاقب واستیصال کا جہاد کیا مرزائیت کا انسائیکلوپیڈیا تھے۔ "ملتِ اسلامیہ کا موقف" نامی بیان تحریک میں مرتب کرنے کے دوران ان کی صحبت اور زیارت پھر حوالوں کے بارہ میں محیر العقول استحضار دیکھنے میں آیا۔ حق تعالیٰ اس فدائے ناموس ختم نبوت کو طویل جہاد کا بہت صلہ دے۔ اور مجلس تحفظ ختم نبوت کو آپ جیسا جامع اور بے لوث رہنما نصیب ہو۔

خواجہ محمد خان | ایک ادیب اور صاحب قلم محقق خواجہ محمد خان حضرو۔ نادر مضامین اور کتابوں سے شغف زندگی بھر رہا، الحق کو بھی نوازتے خطوط سے بھی اور مضامین سے بھی۔ غار حرا سے واپسی میں جبل نور پہ عالم نور کیطرف چل بسے۔

اہلیہ مولانا اکبر آبادی | برصغیر کے مشہور محقق ومصنف مخدومی مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر برہان دہلی حال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر کی صالحہ عابدہ اہلیہ کا انتقال ہوا۔ علم وادب کے ناطے سے یہ سانحہ صرف ان کا نہیں بلکہ سب واقفین کا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو درجاتِ عالیہ اور مولانا کو صبرِ جمیل سے نوازے۔

والد ماجد اختر راہی صاحب | الحق کے دیرینہ کرم فرما مقالہ نگار وتبصرہ نگار جناب اختر راہی صاحب نوسر شہر واہ کینٹ کے والد ماجد کا ۸ ستمبر کو انتقال ہوا حق تعالیٰ اختر راہی صاحب جیسے خلف الصدق فرزند کی خدمات کے صدقہ جاریہ کو ان کے رفع درجات کا مزید ذریعہ بنا دے۔

مولانا سعید الرحمان علوی کو صدمہ | ہمارے علمی وادبی اور دینی میدانوں میں سرگرم رفیق مولانا سعید الرحمان علوی مدیر خدام الدین کے دادا صاحب مرحوم جو حضرت مولانا محمد رمضان علوی کے والد ماجد تھے۔ مرحوم نے علماء وصلحاء خدام دین اپنی اولاد کی شکل میں چھوڑے یہ حسن تربیت وخوش بختی قابل رشک ہے۔ اللہ تعالیٰ مقاماتِ قرب ورضا سے نوازے۔

قارئین

افکار و اخبار

نقد و نظر

علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور آزاد کشمیر کی ایک مبارک تحریک

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں حضرت سراپا علم و حکمت تھے، تفسیر و حدیث میں یکتائے زمانہ حضرت کی تبحر علمی و جامعیت فنون کے نہ صرف اہلِ ہند معترف تھے۔ بلکہ مصر و شام اور بیروت و حرمین شریفین میں بھی آپ مقبول تھے۔ حضرت شاہ صاحب کا قوتِ حافظہ محتاج بیان نہیں وہ زباں زد خلائق ہے کہ اگر ایک کتاب کے پانچ پانچ دس دس حواشی ہوتے تو سب آپ کو یاد ہوتے۔ علوم شرعیہ اور عقلیہ میں سے کوئی بھی ایسا علم نہیں جس میں آپ کو مہارتِ تامہ حاصل نہ ہو۔ اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ علماء متقدمین میں بھی ہر حیثیت سے ایسی جامع علوم عقلیہ اور نقلیہ ہستیاں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں، حضرت العلامہ کی یہ حیثیت اور یہ مقام و مرتبہ صرف اسلامی علوم و فنون ہی میں نہیں، بلکہ فلسفہ قدیم کی ہر شاخ سے وہ ماہرانہ واقفیت رکھتے تھے ڈاکٹر اقبال سے کون ناواقف ہے ایک نامور فلسفی ہونے کے علاوہ فلسفہ کے دقیق النظر عالم بھی تھے۔ مگر اس کے باوجود فلسفہ کی دقیق بحث زمان و مکان کے بارے میں سرگرداں و پریشاں تھے، اور حضرت شاہ صاحب سے رجوع کر کے اسے حل کیا، اسی طرح شاہ صاحب کا وہ منظوم رسالہ جو ضخامت میں تو مختصر ہے لیکن پورے موضوع کا عطر اس میں لاکر جمع کر دیا ہے۔ جب وہ منظرِ عام پہ آیا تو ڈاکٹر مرحوم کے پاس حضرت شاہ نے ھدیتہ روانہ کیا۔ جب انہوں نے اس کا مطالعہ کیا۔ تو فرمایا کہ مولانا انور شاہ صاحب کا رسالہ پڑھ کر دنگ رہ گیا ہوں۔ کہ رات دن قال اللہ و قال الرسول سے وابستہ رہنے کے باوجود فلسفہ میں بھی ان کو اس درجہ بصیرت اور اس کے مسائل پہ اس قدر گہری نگاہ ہے کہ حدوث عالم پہ انہوں نے جو کچھ اس رسالہ میں لکھ دیا حق یہ ہے کہ آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس مسئلہ پہ اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ وہ ڈاکٹر اقبال جو فلسفہ یونانی اور اسلامی بھی اور عہدِ حاضر کے فلسفہ مغرب پہ بھی کافی نظر رکھتے تھے وہ بھی اس رسالہ کے چار اشعار سے بہرہ اندوز نہ ہو سکے اور حضرت علامہ سے رجوع کر کے مطالب کو حل کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی شخصیت پہ بہت سے ارباب قلم لکھ چکے اور آنے والے لکھتے رہیں گے مگر اس کے باوجود اس بات پہ قلق و افسوس اور رنج و غم تھا کہ اس جامع شخصیت پہ کہیں مجتمع ہو کر کام نہیں کیا گیا اور حضرت

—— علامہ کی تصانیف اور ان کے علوم سے سارے عالم کو روشناس نہیں کرایا گیا۔

لیکن جب یہ بات گوش گزار ہوئی کہ حکومت آزاد کشمیر نے اس کا ارادہ کیا تھا۔ مگر بہت دنوں تک پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکی تھی، مگر ابھی حال میں یہ بات معلوم ہوئی کہ اسے آزاد کشمیر نے عملی جامہ پہنانے کا عزم مصمم کر لیا ہے۔ اور کام بھی شروع ہو گیا ہے تو دل فرحت و مسرت سے اچھلنے لگا۔ ہم تمام لوگ حکومت آزاد کشمیر کو دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں، اس میں صرف محدث کشمیری ہی کے علوم و فنون کی ترویج و اشاعت نہیں بلکہ اسلامی علوم و فنون کی بھی نشر و اشاعت ہے۔ خدائے ذوالجلال ان لوگوں کو پائے استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

ساتھ ہی ساتھ ہم انہیں ایک نیک مشورہ بھی دیں گے اور وہ یہ کہ حضرت علامہ کے جو قابلِ اعتماد شاگرد اس وقت ہندوستان اور پاکستان اور بیرونِ ممالک میں باحیات ہیں، ان سے براہ راست رابطہ قائم کریں۔ تاکہ اس موضوع پر ایک بسیط علمی اور عملی کام ہو سکے۔ (ابوالکلام وسیم گونڈوی دارالعلوم دیوبند۔ انڈیا)

ایرانی یا افغانی ؟ انقلاب ایران اور اسباب و نتائج کے عنوانات کے تحت جناب احمد عبداللہ صاحب نے بہت سے افغانی مشاہیر کو ایرانی بتایا ہے۔ جو صحیح اور درست نہیں ہے۔ موجودہ زمانے میں اگر کسی کو ایرانی کہا جائے تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ وہ علامہ خمینی کے ایران کا ایرانی ہے۔ لیکن موجودہ ایران حقیقت میں ایران نہیں، بلکہ پارس یا فارس ہے۔ حقیقی ایران اگر ہے تو صرف موجودہ افغانستان ہے۔ جس کے تاجداروں کے سر پر ھما نے تاج ہمایوں سجایا تھا اور جن سے وہ جام جم منسوب ہے جس کا تذکرہ شاعروں کے کلام اور ادیبوں کی تحریروں میں ہوا کرتا ہے۔ اسی جام جم کی طرف مرزا غالب نے یوں اشارہ کیا ہے ؎

اور سے آئیں گے بازار سے گر ٹوٹ گیا
جام جم سے میرا یہ جام سفال اچھا ہے۔

اس جام جم کے جمشید کا دارالخلافہ موجودہ افغانستان کا شہر بلخ تھا۔ علامہ خمینی کے ایران کا تہران یا اصفہان نہیں تھا۔

اسی طرح فقہ حنفی اور جس بزرگ شخصیت نے اصول و قانون کے موضوع پر لکھا ہے وہ نعمان بن ثابت ابوحنیفہ ایرانی نہیں بلکہ افغان تھے ان کے والد بزرگوار افغانستان کے موجودہ دارالخلافہ کابل کے تھے۔ مولانا احمد عبداللہ صاحب کو اس سلسلے میں یہ بھی معلوم ہو کہ مصر میں ایک شخص نے اس موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں ابوحنیفہ کو افغان ثابت کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں اسے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی گئی ہے۔

جناب احمد عبداللہ صاحب نے برمکی خاندان کے مشاہیر یحییٰ برمکی، خالد برمکی اور جعفر برمکی کو بھی جنہوں نے عباسی دورِ حکومت میں نہایت شاندار اور اہم خدمات انجام دی تھیں، ایرانی بتایا ہے۔ حالانکہ یہ موجودہ افغانستان کے شہر بلخ کے افغانی تھے اور ان کے بزرگ اسلام سے پہلے معبد نوبہار کے پجاری اور متولی ہوا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ بھی افغان تھے چشت نام کا گاؤں آج بھی افغانستان

ہیں موجود ہے اور مولانا عبدالرحمن جامی کا شہر جام بھی ہے۔ جو شاہان غور کا کبھی دارالخلافہ ہوا کرتا تھا۔ اسی جام شہر میں دہلی کے قطب مینار کا نقشِ اوّل مینارِ جام شہاب الدین غوری کے برادرِ بزرگ غیاث الدین غوری کی یادگار ہے۔

(خان غازی کابلی کوچۂ رحمان دہلی۔)

کافر سازی اور کافر نمائی میں تلبیس یا جہل مرکب؟

ستمبر کا الحق ملا۔ افکار و تاثرات پڑھ کر معلوم ہوا کہ پاکستان سے باہر جاکر مولانا ضیاء القاسمی کو پاکستان میں کافر سازی ناپسند ہے۔ ان کا اشارہ یقیناً حالیہ کافر سازی یعنی احمدیہ جماعت کو ناٹ مسلم قرار دینا کی طرف ہوگا۔ پاکستان میں اس بات کا سمجھنا ہے بھی کسی قدر مشکل، لیکن باہر جاکر یہ بات جلد ہی واضح ہونے لگتی ہے۔ کہ کسی کا کسی کو کافر کہنے کا کیا مطلب ہے۔ ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ مسلمان ہے۔ بیرونی ممالک میں اگر کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہے اور آپ اس بات پر اصرار کریں کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ تو لوگوں کو ایسا کرنے والے کی ذہنی کیفیت پہ شک گزرنے لگتا ہے۔ (میں نے پچیس سال باہر گزارے ہیں۔) بہرحال اس خوشی کا میں پھر اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ ضیاالقاسمی کو پاکستان سے باہر جاکر اس بات کا احساس ہوگیا کہ احمدی چاہے کچھ ہی ہوں انہیں کافر سازی کا نشانہ نہیں بنانا چاہیئے —— آپ گذشتہ دنوں چین گئے تھے۔ کوئی حالات الحق میں لکھیئے گا نا۔ والسلام۔ (نسیم سیفی۔ ایڈیٹر تحریک جدید۔ ربوہ)

مکاتیب علامہ شمس الحق افغانی

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ کافی عرصے سے احباب کرام و مخصوص متعلقین کی خواہش رہی ہے۔ کہ میرے مکاتیب کا مجموعہ شائع ہو۔ ان کے اصرار اور افادۂ عام کے پیش نظر اسے جمع و ترتیب دینے کی اجازت دیتا ہوں۔ اور اپنے تمام احباب، تلامیذ و متعلقین کو اعلان ہذا کے ذریعہ مطلع کررہا ہوں کہ میرے جملہ مکاتیب چاہے علمی ہوں تربیتی و روحانی ہوں یا سیاسی و معاشرتی ہوں ان سب کے فوٹوسٹیٹ فرزندم محمد داؤد جان افغانی ڈاکخانہ ترنگ زئی تحصیل چارسدہ ضلع پشاور کے نام رجسٹری کے ذریعے بھجوا کر ممنون فرمادیں۔ سب کیلئے فلاح و سعادۃ دارین کی دعا کرتا ہوں۔ (شمس الحق افغانی۔ ترنگ زئی۔ چارسدہ)

امید و یاس

مایوسیوں کی تاریکی میں امید کے چراغ روشن کرنے والے شاعر سید امین گیلانی کے تازہ شعری مجموعہ امید و یاس کا مطالعہ فرمائیں ہر شعر جادو اثر ہر شعر ایک پیغام سادہ زبان گہرے معانی عمدہ کاغذ دیدہ زیب جلد قیمت ۳۰/- روپے۔ ملنے کا پتہ۔ مکتبہ جامعہ فاروقیہ شرقی پورہ روڈ شیخوپورہ شہر

مسلمانوں کی شدید دل آزاری

آج مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۸۰ بعد نماز عشاء ایک خصوصی اجلاس پاکستان سنّی تنظیم سوادِ اعظم اہلِ سنّت میر پور خاص زیر صدارت حضرت مولانا فیض اللہ صاحب منعقد ہوا جس میں علماء کرام اور کثیر تعداد نے شرکت کی اور مندرجہ ذیل قرارداد متفقہ طور پہ منظور کی۔

۱۰ محرم الحرام کو جو شیعہ حضرات نے لاؤڈ اسپیکر استعمال کرتے ہوئے غیر قانونی اور اشتعال انگیز تقاریر

کے ذریعہ مسلمانان میرپورخاص کی شدید دل آزاری کی اور اس طرح فرقہ وارانہ تنازعات پیدا کرکے حکومت وقت کو جوکہ نظام مصطفیٰ کے قیام کی کوششیں کررہی ہے۔ کی راہ میں نئے مسائل پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی۔
علمائے کرام نے بڑے صبر وتحمل کے ساتھ عوام الناس کے جذبات پر قابو پایا اور امن وامان قائم رکھا۔ ہم پاکستان سنی تنظیم میرپورخاص حکومت کے ان کارندوں کی شدید مذمت کرتے ہیں جنہوں نے اہل تشیع کو تقریباً پچیس۲۵ سال بعد پہلی مرتبہ لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کی اجازت دی جس کے نتیجے میں مسلمانانِ میرپورخاص کی سخت دل آزاری ہوئی۔ لہٰذا یہ اجلاس حکومت سے پرزور مطالبہ کرتا ہے۔ کہ مسلمانانِ میرپورخاص کی دل آزاری وفرقہ ورانہ فساد برپا کرنے والی تقاریر کرنے والوں اور غیر قانونی لاؤڈ اسپیکر کی اجازت دینے والوں کے خلاف فوری قانونی کاروائی کی جائے۔ (مولانا فیض اللہ میرپورخاص سندھ)

صحیح اور برمحل گرفت | خان غازی کابلی دہلی کے مضمون حکیم عبدالسلام ہزاروی اگست ۱۹۸۰ء کی اشاعت سے مجھے دکھ ہوا، ہندوانہ ناموں کی بھرمار مسلم بزرگوں سے وابستہ مقامات کا ذکر کافروں کے حوالہ سے مثلاً شاہ ولی قندہاری سے منسوب حسن ابدال کو پنجہ صاحب لکھنا وغیرہ ایک کافر ہندو کو شہید کے نام سے یاد کرنا اور مفتی عبدالرحیم مرحوم کو کمیونسٹ جب ہندوستان سے اس وقت کے مجاہدین آزادی نے افغانستان کو اپنا مستقر بنایا تو آپ کے غازی صاحب نے عین اس وقت افغانستان سے بھاگ کر ہندو کی لنگوٹی میں پناہ لی۔ (آغا عبدالغفور خواجہ گلاس حسن ابدال)

● خان غازی کابلی کے بعض الفاظ غیر اطمینان بخش ہیں مثلاً مفتی سرحد مولانا عبدالرحیم پوپلزئی کو کمیونسٹ کہنا ۱۹۶۷ء کے ترجمان اسلام میں احمد حسین کمال اور دیوان سنگھ مفتون کے بعض مضامین حسرت موہانی وغیرہ جیسے اکابر کو نیشنلسٹ اور کمیونسٹ کے القاب سے نوازا گیا تھا جس کی بعد میں توجیہات کی جانے لگیں۔
(مولانا عزیز الرحمان۔ دارالعلوم اسلامیہ لکی مروت)

● غازی صاحب کی یہ غلطی ناقابل برداشت ہے کہ ہری کشن کو جنگ آزادی میں قتل ہوجانے کی وجہ سے شہید کہا گیا۔ (مولانا سعدالدین مردان)

الحق:۔۔۔ اس مضمون کے ایسے ہی بعض مندرجات سے ہمیں بھی دکھ ہوا ہے۔ بعض وقت کسی مقالہ نگار کے مضمون میں از خود کانٹ چھانٹ اور حذف وترمیم کی بجائے اسے قارئین پر چھوڑ دینا زیادہ مفید ہوتا ہے کہ بحث اور نقد ونظر سے کسی بھی معاملہ کی تنقیح ہوجاتی ہے۔ الحق کے یہ چند صفحات ایسے ہی نقد اور تعاقبی مراسلات کے لئے رکھے گئے ہیں۔

مفتی محمود صاحبؒ | مفتی صاحب تو ہمیشہ دل میں نقش رہیں گے۔ میں نہ صحافی ہوں نہ ادیب لیکن اپنے احساسات ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کچھ خاص باتیں نہیں مگر میرے دل کا غبار کچھ ٹھنڈا ہوجائے گا۔ اگرچہ مرحوم سے تعلق کو عرصہ گزرا

کیونکہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ سے ہمارے آباد اجداد سے عقیدت چل رہی ہے۔ تو مفتی صاحب کا حضرت سے گہرا تعلق تھا۔ اس مناسبت سے ہم بھی قریب ہوئے۔ مگر آخری چند برسوں میں تو بے حد قرب ملا۔ بہت قریب سے سفر و حضر میں مطالعہ کیا۔ مجھے موجودہ زمانہ میں کوئی ایسا متبادل شخص نظر نہیں آتا کہ اس عظیم کمی کو پورا کر سکے کیونکہ مرحوم لامحدود اوصاف کے مالک تھے۔ مفتی بھی حق گو عالم دین بھی اور قومی رہنما بھی وہ بھی ایسے کہ ایک بہادر جرنیل کی خوبیاں آپ میں موجود تھیں۔ اگر آج پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے نعرے لگتے ہیں تو سب آپ کی برکات ہیں ورنہ معاشرہ کہاں سے کہاں پہنچ چکا۔ مفتی صاحب سخت جمہوریت پسند بھی تھے۔ اس لئے بھٹو کے خلاف تحریک چلائی جس کے دو مقاصد تھے ایک نظریۂ پاکستان یعنی اسلام دوسرا جمہوریت۔ آج ایسی خلار کا ملک شکار ہو گیا ہے۔ کہ خدا کسی قوم کو ایسا بے وارث نہ کرے۔ ساری قوم قومی سطح کے لیڈر کی سخت کمی محسوس کرتی ہے۔ اور ہر بیدار ضمیر کی آواز ہے۔ کہ مفتی صاحب جیسے لیڈر عرصہ بعد پیدا ہوتے ہیں ؎

اس چہ لاڑے ارمان رلغے ڈ ڈسند و کرہ مثال دے چا دخیال اونہ کرو

(میاں حضران بادشاہ چشتیؒ۔ اکوڑہ خٹک)

● خدا کرے آپ چین سے با چین واپس تشریف لا چکے ہوں۔ مبارکباد۔ (خالد خلیل نعمانی کینیا مشرقی افریقہ)

● یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ چین ہو آئے اور وہاں کے مسلمانوں کا حال خود مشاہدہ کر آئے۔ (مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ مدیر برہان۔ دہلی)

● دورۂ چین کے بارے [illegible] تفصیلات کا انتظار ہے جو تمام حقانی معاونین و فاضلین کو بھی یقیناً ہو گا۔ (محمد ادریس حقانی مدرسہ عربیہ شیر گڑھ مردان)

● الحمد للہ کہ الحق نے شمسی کیلنڈر ترک کر کے محرم سے نئی جلد کا آغاز کیا۔ آپ کے سفر چین کا پڑھ کر ازحد خوشی ہوئی علماء پاکستان ہی کے آپ اطلبوا العلم ولو کان بالصین۔ کے مصداق ٹھہرے۔ مبارکباد۔ اپنے تاثرات، مشاہدات مسلمانوں کی حالت کا تذکرہ جلدی تحریر فرما دیں۔ تاکہ میرے جیسے تمام قارئین کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ اس دورہ کو اللہ تعالیٰ دین متین کی سربلندی کا ذریعہ بنادے۔ (مولانا محمد یعقوب خطیب و مہتمم جامعہ جہانیاں)

● اگست کے شمارہ میں وصیت امام اعظم ابوحنیفہ ہر قاری کیلئے نسخۂ اکسیر ہے۔ خدا ہر مسلمان کو اس سے مستفیض فرمائے۔ نیز موجودہ دور میں ڈاکٹر محمد جمال صدیقی جیسے وسیع المطالعہ کی اصحاب کی ضرورت ہے۔ آئندہ بھی الحق ایسے ہی مضامین کے ذریعہ نئی نسل کو ملحدانہ لٹریچر کی غلاظت کو حرف غلط کیطرح مٹاتا رہے گا۔ (خادم نبی موسیٰ خیل لورالائی)

● چین کے دورے پر مبارکباد قبول فرمائیے۔ وہاں کے مذہبی سیاسی حالات کو کتابی شکل دیں۔ روسی الحاد اور قادیان سے اسرائیل تک کی تیاری و اشاعت پر ہم سب مبارکباد اور دعائیں دیتے ہیں۔ (سرفراز خان چوکارہ کرک۔ کوہاٹ)

ؒ ؒ

شارٹ ٹینڈر/کوٹیشن نوٹس

۱- مندرجہ ذیل کاموں کے لئے اچھی شہرت رکھنے والی فرموں سے سربمہر ٹینڈرز/کوٹیشنز مطلوب ہیں۔

۲- کام کی تفصیلات

الف- (۱) واٹر ٹیوب پیکیج ٹائپ بوائلر جس کا وزن تقریباً ۲۰ سے ۳۰ ٹن ہے۔ ایچ۔ ایم۔ سی ٹیکسلا سے کارن کمپلیکس جہانگیرہ تک لانا۔

(۲) کارن کمپلیکس میں بوائلر ہاؤس کے نزدیک اُتارنا۔

(۳) بوائلر ہاؤس میں فاؤنڈیشن پر رکھنا۔

ب- ۴" موٹی انسولیشن میٹریل یا گلاس وول جی۔ آئی شیٹس کے ساتھ لگانا۔ پیچ یا بائینڈنگ وائر یا اسبسٹس پائپ تاروں کے ساتھ لگانا

ج- فیبریکیشن اور ۶۰۰ ایم ایم ۱۶ ایم اونچائی کی بوائلر چمنی لگانا۔

۳- دلچسپی رکھنے والی پارٹیوں سے گزارش ہے کہ صوابی روڈ جہانگیرہ تشریف لا کر تفصیلات حاصل کریں۔

۴- ٹینڈرز/کوٹیشنز ۱۵/جنوری ۱۹۸۱ء بوقت بارہ بجے ۲ فیصد زر بیعانہ کے ساتھ زیر دستخطی کو پہنچ جانے چاہئیں۔

۵- انتظامیہ بغیر وجہ بتائے کسی بھی بولی کو منظور یا مسترد کرنے کا حق رکھتی ہے۔

سرور دین بنگش
پروجیکٹ مینیجر
کارن کمپلیکس جہانگیرہ

INF (P)-2966

از محمد نصر اللہ خان صاحب خازن
گجرات

مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ
اور
تحریک جہاد و احیاء دین

برصغیر پاک و ہند کی سیاسی اور دینی حالت

مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ کی سیرت اور تحریک احیاء دین پر روشنی ڈالنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے ہندوستان کی سیاسی اور دینی حالت آپ کے سامنے رکھی جائے تاکہ آپ کے کام کی اہمیت و عظمت کا صحیح اندازہ ہوسکے۔

مغلیہ سلطنت جس کی عظمت کا ڈنکا کابل و قندھار سے آسام تک اور فنرا نرم سے راس کماری تک اڑھائی سو سال تک بجتا رہا اس پر نزع کا عالم طاری ہو چکا تھا۔ اس کے تمام صوبے ایک ایک کر کے مرکز سے الگ ہو چکے تھے۔ اور نہ صرف یہ کہ مغلوں کی ردائے اقتدار چاک چاک ہو چکی تھی بلکہ انگریزوں کا تسلط و استیلاء حد تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ سب سے پہلے کرناٹک بنگال، بہار اور اڑیسہ ان کے قبضے میں آئے۔ پھر انہوں نے مرہٹوں اور نظام دکن کو ساتھ ملا کر سلطنت میسور کو ختم کیا پھر مرہٹوں اور نظام کو فوجی امداد کے شکنجے میں جکڑ کر تخت گاہ دہلی کے مختار کل بن بیٹھے۔ ادھر پنجاب میں راجہ رنجیت سنگھ حکمران بن چکا تھا۔ اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رہا تھا۔

دوسری طرف مسلمان حکمرانوں کی اشاعت اسلام سے غفلت و عدم دلچسپی اور نفس پرست علماء کی خود غرضی اور بے حسی کی وجہ سے عوام جاہل اور گمراہ، اپنے سود و زیاں سے بے خبر، اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور اور اتباع دین سے نفور تھے۔ مکار صوفیوں اور بے عمل واعظوں نے انہیں اعتقادی اور عملی گورکھ دھندوں میں مبتلا کر رکھا تھا۔ پیر پرستی، قبر پرستی، بزرگوں کی قبروں کے لئے شدّ رحال اور غیر اللہ کی نذر و نیاز کا رواج عام ہو چکا تھا۔ غرضیکہ لوگ شرک و بدعات کا شکار ہو چکے تھے۔ اور پورا مسلم معاشرہ غیر اسلامی عقائد و رسوم کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔

ان حالات میں ایسے مردان حق آگاہ اور مجاہدان سرفروش کی ضرورت تھی جو نہایت خلوص اور سرفروشی کے ساتھ عوام میں دینی شعور پیدا کرتے اور ان میں جذبہ جہاد ابھارتے۔ تاکہ وہ شرک و بدعات کو چھوڑ کر احیاء دین اور آزادی وطن کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔

خاندان ولی اللہی کی خدمات حضرت مجدد الف ثانی شیخ سرہندی قدس سرہ العزیز (متوفی ۱۶۲۴ء) کے بعد برصغیر پاک وہند میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تطہیر فکر ونظر اور اشاعت واحیاء اسلام کی تحریک کا آغاز کیا۔ آپ ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۶۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۰ء میں آپ نے وفات پائی۔ آپ پہلے ہندوستانی عالم دین ہیں جنہوں نے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اور اپنی مشہور عربی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ کے ذریعہ اسلام کو ایک اجتماعی سیاسی نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کیا۔ علاوہ ازیں الفوز الکبیر، القول الجمیل، المسوّیٰ اور المصفّیٰ جیسی جلیل القدر تصنیفات کے ذریعہ قرآن وحدیث کی تفہیم وتشریح کی۔ آپ کے بعد آپ کے چاروں صاحبزادگان نے قرآن وسنّت کی تعلیم وتدریس اور تفہیم وتشریح کے ذریعہ تجدید واحیاء دین کی مہم جاری رکھی۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ (متوفی ۱۸۲۴ء) نے تفسیر حدیث، فقہ اور منطق وفلسفہ کی تدریس کے ساتھ ساتھ تفسیر عزیزی، تحفہ اثنا عشریہ اور بستان المحدثین نامی کتابیں لکھیں۔

شاہ رفیع الدینؒ (م ۱۸۱۹ء) اور شاہ عبدالقادرؒ (م ۱۸۱۵ء) نے قرآن مجید کے اردو تراجم لکھے۔ شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ تحت اللفظی اور شاہ عبدالقادر کا ترجمہ سلیس بامحاورہ ہے۔ برصغیر پاک وہند میں یہ اردو زبان میں قرآن مجید کے سب سے پہلے تراجم ہیں۔ اور اس لحاظ سے اہل ہند پر ان دونوں عظیم ہستیوں کا بہت بڑا احسان ہے۔ چوتھے صاحبزادے شاہ عبدالغنیؒ ہیں۔ ان کی کوئی تصنیف نہیں ملتی۔ لیکن باقی تینوں کی طرح وہ بھی بہت بڑے عالم اور نہایت صاحب زہد وورع بزرگ تھے۔ حضرت شاہ عبدالغنیؒ نے اپنے پیچھے وہ عظیم ہستی چھوڑی جسے آج ہم حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے دعوت دین اور تجدید واحیاء دین کی خاطر جہاد فی سبیل اللہ کا وہ عملی نمونہ دکھایا جس کی مثال قرون اولیٰ کے بعد شاید ہی کہیں ملتی ہو۔

حضرت شاہ اسمٰعیلؒ کی ابتدائی زندگی تعلیم وتربیت شاہ اسمٰعیل شہید، شاہ عبدالغنیؒ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ مولوی علاؤ الدین پھلتی کی صاحبزادی تھیں۔ ۱۱۹۳ھ مطابق ۱۷۷۹ء میں اپنی ننھیال پھلت ہی میں پیدا ہوئے۔ صغر سنی ہی میں والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ آپ کے چچا شاہ عبدالقادرؒ نے آپ کی پرورش کی۔ اور انہی نے اپنی نواسی سے آپ کی شادی کی۔

شاہ صاحب نے اپنے عم بزرگوار شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے علم حاصل کیا۔ آپ کو دینی علوم تفسیر حدیث، فقہ، اصول حدیث اور اصول فقہ میں کمال حاصل تھا۔ آپ کو دنیوی علوم منطق، فلسفہ، تاریخ وجغرافیہ اور ریاضی پر بھی کامل عبور حاصل تھا۔ نیز تقریر وتحریر اور مناظرہ کی مشق بھی بہم پہنچائی تھی۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے فنون حرب یعنی پیراکی، کشتی رانی، تیر اندازی اور دوسرے فنون متداولہ جنگ بھی حاصل کئے۔ قوت برداشت کا یہ عالم تھا کہ فتحپوری کی جامع مسجد کے فرش پر جون اور جولائی کے مہینوں میں ننگے پاؤں اور ننگے سر گھنٹوں چہل قدمی کرتے اور

جاڑے کے موسم میں کئی کئی راتیں گھر سے باہر صرف سوتی کپڑوں میں گذار دیتے۔ لیکن مطلق کوئی تکلیف محسوس نہ کرتے اپنے قویٰ قابو کی یہ حالت تھی کہ جب چاہتے سو جاتے اور جب چاہتے جاگ اٹھتے۔ آپ کا یہ دور تعلیم و تربیت ۱۲۱۴ھ ۱۲۳۵ھ (۱۷۹۷ء - ۱۸۱۹ء) پر محیط ہے۔

یہ معمولات زندگی دراصل اس جہاد کی تیاری کے لئے تھے جس کا مقصد اہل وطن کو غیر ملکی استیلاء سے نجات دلا کر ملک میں وہ اسلامی حکومت قائم کرنا تھی جس کی مثال صرف عہد نبوت اور دور خلفائے راشدینؓ ہی میں ملتی ہے۔

حضرت سید احمد شہید سے ربط و تعلق

شاہ اسمٰعیل شہید اپنے عم بزرگوار شاہ عبدالقادر کی وفات کے بعد ان کی مسند درس و تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔ اسی زمانہ میں حضرت سید احمد شہید بریلوی ٹونک سے دہلی تشریف لائے۔ سید شہیدؒ۔ شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کے شاگرد اور انہی کے حلقۂ بیعت میں شامل تھے۔ باطنی اور ظاہری علوم میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ جب وہ مرجع خلائق بنے تو ۳۶-۱۲۳۵ھ (۲۰-۱۸۱۹ء) میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید اور ان کے ساتھی اور شاہ عبدالعزیز کے داماد مولوی عبدالحیؒ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔

سفر حج بیت اللہ

۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۰ء میں آپ حضرت سید احمد شہیدؒ کی معیت میں کلکتہ کے راستے فریضۂ حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ سید صاحب کے چار سو مریدین باصفا ساتھ تھے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں آپ وطن واپس پہنچے۔ قیام مکہ کے دوران آپ نے عرب، روم، شام اور مصر کے اہل علم سے ملاقاتیں کیں اور وہاں کے حالات سے آگاہی حاصل کی۔

اصلاح معاشرہ اور جہاد کی تیاری

۱۲۳۹ھ تا ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۳ء تا ۱۸۲۵ء کی درمیانی مدت میں آپ نے جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ مسلمانان ہند کی ناگفتہ بہ حالت، دین سے عدم واقفیت، شرک و بدعت کا عام رواج عوام کا اخلاقی انحطاط اور غیر ملکی استعمار کا بڑھتا ہوا غلبہ یہ تھے وہ امور جن پر آپ نے گہرے غور و فکر کے بعد مسلمانوں کو اس سے نجات دلانے کی ٹھانی۔ وسیع پیمانے پر عوام کو قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل کی دعوت دی۔

اس زمانے میں ہندوانہ معاشرت سے متاثر ہو کر بیوہ عورتیں نکاح ثانی نہیں کرتی تھیں۔ آپ نے اسلام کی اس سنت کو دوبارہ زندہ کیا۔ جامع مسجد دہلی کے اندر حوض پر خوانچہ فروش مورتی کھلونے بیچتے تھے۔ آپ نے اس خرید و فروخت کو بند کیا۔ یہاں تک کہ شرک و بدعت کے خلاف مسلسل جہاد کیا۔ آپ کے وعظ و نصیحت سے معاشرے میں موجود بہت سی برائیوں کی اصلاح ہونے لگی۔ پھر آپ نے پورے ملک کا دورہ کر کے لوگوں کو جہاد پر ابھارا۔ ردّ بدعات اور ترغیب جہاد کی وجہ سے آپ کی طرف عوام کا رجوع بڑھتا گیا۔ تین سال کی مختصر سی مدت میں آپ نے عوام کے اندر روحِ جہاد پھونک دی جس سے معاشرہ میں اتباع شریعت کا رجحان بڑھ گیا۔

سفرِ ہجرت | ۱۲۴۲-۱۲۴۱ھ (۲۶-۱۸۲۵ء)

اب وقت آ گیا تھا کہ آپ جذبۂ جہاد سے سرشار لوگوں کو باقاعدہ جہاد کی غرض سے لے کر میدان میں نکلتے۔ آپ چونکہ پورے ہندوستان سے غیر ملکی اور غیر اسلامی غلبہ و استیلاء کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ کا جہاد انگریزوں اور سکھوں کے خلاف تھا۔ لیکن اگر آپ جہاد کا آغاز وسط ہند سے کر دیتے تو چاروں طرف سے آپ انگریزوں اور سکھوں کے گھیرے میں آ جاتے۔ اس لئے آپ نے جہاد کا آغاز کرنے کے لئے صوبہ سرحد کا علاقہ منتخب فرمایا۔ اس میں آپ کے پیش نظر حکمت یہ تھی کہ ایک تو سرحدی سردار مسلمان ہونے کی وجہ سے آپ کا ساتھ دیں گے اور دوسرے شمال مغرب کی طرف مسلمان حکومت (افغانستان) ہوگی جس کی طرف سے کوئی خطرہ نہ ہوگا تیسرے پنجاب کے مسلمان سکھوں کے مظالم کی وجہ سے بآسانی سکھوں کے خلاف لڑنے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے۔ اور اندرون ملک سکھوں کے خلاف ان کی بغاوت آپ کے لئے کامیابی کا پیش خیمہ ہوگی۔ اور چونکہ انگریزوں کے ساتھ براہِ راست تصادم نہ ہونے کی وجہ سے وہ کچھ عرصہ تک چوکنے نہ ہوں گے۔ اس طرح آپ پنجاب میں فتح حاصل کرنے کے بعد ایک اسلامی حکومت قائم کر کے مستحکم کر سکیں گے۔ اور وہ قوت فراہم ہو جائے گی جس سے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا جا سکے گا۔

یہ تھی وہ تدبیر جسے سامنے رکھ کر ۲۵-۱۸۲۴ء میں آپ نے اپنے مرشد حضرت سید احمد شہیدؒ کی ہدایت پر سندھ کے راستے افغانستان کو ہجرت کی۔ تھانیسر۔ مالیر کوٹلہ۔ بہاولپور۔ حیدرآباد (سندھ) شکارپور سے ہوتے ہوئے آپ ڈھاڈر اور بولان کے دروں میں سے گذر کر قندھار اور یہاں سے کابل پہنچے۔ بارہ ہزار سرفروش آپ کے ساتھ تھے۔ بھیس بدل بدل کر مزید ہزاروں مجاہدین آپ سے آکر ملتے رہے۔ ۱۸۲۶ء میں آپ درہ خیبر سے گذر کر صوبہ سرحد میں داخل ہوئے۔

جہاد اکوڑہ خٹک | ۱۲۴۲ھ - ۱۸۲۶ء

حضرت شاہ صاحب نے اپنے مرشد حضرت سید احمدؒ کی معیت میں پشاور کے نزدیک ہشت نگر (چارسدہ) میں قیام کیا۔ اردگرد کے علاقوں کا جائزہ لیا مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو دیکھ کر سکھوں کے خلاف جہاد کرنے کا فیصلہ کیا۔

ادھر لاہور سے رنجیت سنگھ نے سردار بدھ سنگھ کی سربراہی میں دس ہزار کا لشکر سیّد صاحب کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ جو جنگی ساز و سامان کے ساتھ پوری طرح لیس تھا۔ اس کے مقابلے میں مجاہدین کی تعداد صرف ڈیڑھ ہزار تھی۔ ان کے پاس سامان جنگ بھی ناکافی تھا۔ ۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء کو اکوڑہ خٹک کے مقام پر (نوشہرہ سے آٹھ میل دور) سکھوں سے پہلی جنگ ہوئی جس میں سکھوں کو شکست ہوئی۔ بدھ سنگھ اس ہزیمت کے بعد شیدو (سیدو) کے مقام پر پڑاؤ کیا۔

انعقادِ بیعتِ جہاد

اکوڑہ سے نکل کر شاہ صاحب سید صاحب کی قیادت میں ہنڈ اور حضرو میں چھوٹے چھوٹے معرکے سر کرنے کے بعد پنجتار پہنچے۔ اکوڑہ کی فتح کے بعد مجاہدین کے حوصلے بلند ہو گئے۔ شاہ صاحب نے پنجتار کے گرد و نواح میں حضرت سید صاحب کی امارت و امامت میں جہاد کر کے مسلمانوں کے مغصوبہ علاقوں کو آزاد کرانے کی دعوت دی۔ جہاد پر ابھارنے کے لئے پٹھان سرداروں اور علما و مشائخ سے مذاکرات کئے۔ شاہ صاحب کی غیر معمولی دعوت اور انتظامی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر عوام و خواص جہاد کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ سینکڑوں رؤسا و علماء اور ہزاروں عوام و خواص نے ۱۱ جنوری ۱۸۲۷ء کو ایک بہت بڑے مجمع عام میں حضرت سید صاحب کے ہاتھ پر امامت جہاد کی بیعت کی۔ اس طرح دو ماہ کے اندر اندر تقریباً اسی ہزار سرحدی عوام سید صاحب کی امامت میں سکھوں کے خلاف جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔ مارچ کے شروع میں اسلامی لشکر جلسئی، مصری بانڈے سے ہوتا ہوا نوشہرہ میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں سے سکھ لشکر پر حملہ کرنا مقصود تھا۔ جو اس وقت بدھ سنگھ کی سربراہی میں شیدو میں پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔

سرداران سرحد کی غداری

نوشہرہ میں سید صاحب کی میزبانی کے فرائض ایک درانی سردار یار محمد خان انجام دیتا رہا۔ اس نے بظاہر سید صاحب کی بیعت کر رکھی تھی۔ لیکن درپردہ سکھوں سے سازباز کر لی اور عین اس روز جس روز آپ نے دشمن پر حملہ کرنا تھا آپ کو کھانے میں زہر کھلا دیا۔ آپ کی طبیعت سخت ناساز ہو گئی اور علالت کے باوجود آپ نے ایک لاکھ مجاہدین کے ساتھ شیدو میں مقیم سکھ لشکر پر حملہ کر دیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں اسلامی لشکر کا پلہ بھاری رہا۔ سکھ لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ سید صاحب بیماری اور غشی کی حالت میں اسلامی لشکر کے ساتھ ساتھ جہاد میں مصروف ہدایات دیتے رہے۔ اور شاہ صاحب آپ کی تیمارداری کے ساتھ ساتھ آپ کی نیابت بھی کرتے رہے جب سکھوں کی شکست یقینی ہو گئی تو یار محمد خاں، پیر محمد خاں اور سرداران سرحد اپنے ہزاروں مجاہدین کو لے کر میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کر گئے۔ اسلامی لشکر میں غیر معمولی افراتفری پیدا ہو گئی جس کے نتیجہ میں جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ فتح شکست میں بدل گئی۔ شاہ صاحب سید صاحب کو بہزار مشکل چنگلئی پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہاں کچھ دن قیام و علاج معالجے کے بعد سید صاحب کی طبیعت سنبھلی۔ شاہ صاحب اس دورِ ابتلا میں ساتھ رہے۔

منزل ہائے عشق کی جادہ پیمائی

چنگلئی سے نکل کر حضرت شاہ اسمٰعیل نے بونیر سوات اور ہزارہ کے علاقوں میں وسیع دورے کئے۔ مسلمانوں کو سکھوں کے خلاف جہاد کے لئے منظم کیا۔ ڈمگلہ شنکیاری اور اتمان زئی میں سکھوں کے خلاف معرکے ہوتے۔ یہاں بھی وہی صورتِ حال پیدا ہوئی۔ رئیس اتمان زئی عالم خان کی منافقت اور غداری کے ہاتھوں کامیابی شکست میں بدل گئی۔ اور مجاہدین کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود سید صاحب اور ان کے رفیق جہاد شاہ صاحب صبر و استقلال کا کوہ گراں بنے راہ

حق کی منزلیں طے کرتے آگے بڑھتے رہے۔ آپ کے پائے استقلال میں کہیں لغزش نہیں آئی۔ آپ ناکامی کے بعد دوبارہ سنبھلتے علاقے کے مسلمانوں میں جذبۂ جہاد بیدار کرتے۔ مجاہدین کو جمع کرتے اور سکھوں کے خلاف برسرپیکار ہو جاتے۔ چنانچہ آپ نے پنجتار۔ ہنڈ۔ تربیلہ بستھانہ۔ امب، پھولڑہ اور مردان وغیرہ مختلف مقامات پر سکھوں کے خلاف جہاد کیا۔

شہادت | آخری معرکہ ۱۸۳۰ء (۱۲۴۶ھ) میں مانسہرہ کے قریب بالاکوٹ کے مقام پر پیش آیا۔ اپنوں ہی کی غداری، منافقت اور باہمی رقابت کے نتیجہ میں اسلامی لشکر کو شکست ہوئی۔ حضرت شاہ اسمٰعیل اور ان کے مرشد و امیر جہاد حضرت سید احمد شہید نے ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو شہادت پائی۔

اس طرح ان پاک طینت و پاکباز ہستیوں نے اقامت دین کی راہ میں اپنی جانیں نہایت صبر و استقامت کے ساتھ مالک حقیقی کے حضور قربان کردیں۔ فمنہم من قضیٰ نحبہ ومنہم من ینتظر۔

شاہ صاحب کے خصائل | شاہ اسمٰعیل شہیدؒ بہترین مقرر اور اعلیٰ درجے کے عالم و فقیہ تھے۔ آپ کی تقریر نہایت شستہ، پُراثر اور مدلل و بلیغ ہوتی تھی۔ آپ کے کھانے پینے۔ رہنے سہنے اور پہننے میں کسی قسم کا تکلف نہیں ہوتا تھا۔ ہر لحاظ سے آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔ ذکر و فکر کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔ آپ کی جدوجہد تجدید و احیاء دین اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے تھی۔

ایک مرتبہ رنجیت سنگھ نے بہت بڑی جاگیر کی پیش کش کرکے جہاد سے باز رہنے کی درخواست کی لیکن آپ نے پورے استغنا کے ساتھ یہ پیش کش ٹھکرادی۔ اور جواب دیا کہ اگر تو راہ سلامتی اختیار کرلے تو ہمارا کوئی مطالبہ نہیں۔

تصانیف | آپ نے مجاہدانہ زندگی کے باوجود اوائل عمر ہی میں تحریر و تصنیف کا کام بھی شروع کررکھا تھا۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ لیکن اکثر ضائع ہوگئیں۔ بعض تاحال غیر مطبوعہ ہیں۔ اور جو طبع ہوچکی ہیں ان میں سے چند کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ **تقویۃ الایمان**۔ یہ آپ کی اردو میں سب سے مشہور تصنیف ہے۔ اس میں توحید، شرک اور بدعت پر قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ غیر اسلامی عقائد و رسوم کی اصلاح کے لئے نہایت موزوں اور مفید کتاب ہے۔

۲۔ **تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین**۔ اس میں سنت نبویؐ سے رفع یدین کا ثبوت مہیا کیا گیا ہے۔ اور یہ کوشش کی گئی ہے۔ کہ جو لوگ رفع یدین کی مخالفت کرتے ہیں وہ رواداری اختیار کریں۔ اس لئے کہ یہ مخالفت فی نفسہٖ سنت رسولؐ کی مخالفت ہے۔

۳۔ منصب امامت ۔ یہ کتاب فارسی میں ہے ۔ اور اس میں اسلامی حکومت کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں ۔ اور بتایا گیا ہے کہ اسلام میں قیادت و امامت کے لئے کونسی صفات درکار ہیں ۔

۴۔ صراطِ مستقیم ۔ یہ کتاب بھی فارسی میں ہے اور اس میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے دعوائے تجدید دین کی حقانیت واضح کی گئی ہے ۔

۵۔ اصول الفقہ ۔ یہ اصول فقہ پر عربی میں تصنیف ہے ۔

<u>ناکامی کے اسباب</u> حضرت شاہ صاحب کی اس پُرخلوص اور قرونِ اولیٰ کے نقشے پر کی گئی اس عظیم جدوجہد کی ناکامی کے اسباب پر اگر غور کریں تو دو بڑی وجوہ معلوم ہوتی ہیں ۔

۱۔ شاہ صاحب کے جہاد کا پہلا ہدف شرک و بدعت کا استیصال اور مسلمانوں میں خالص توحید کی تبلیغ تھی یہی دعوت ۱۱۵۳ھ تا ۱۲۰۶ھ میں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نجد و حجاز میں دے چکے تھے ۔ اور وہاں انگریزوں کے حلیف شریف حسین مکہ کو شکست ہوئی تھی ۔ انگریزوں نے حضرت شاہ صاحب کی دعوت اصلاح و جہاد کا رشتہ بھی اسی تحریک کے ساتھ جوڑا ۔ اور " وہابی تحریک " کا نام دے کر بدعات کا شکار جاہل مولویوں اور بے عمل صوفیوں اور پیروں کو اس کے خلاف ابھارا اور اپنے اقتدار کی حفاظت کے لئے استعمال کیا ۔ انگریز کا یہ حربہ اس کے حق میں مفید ثابت ہوا ۔ پنجاب اور سرحد کے جاہل مسلمان عوام آپ کی تحریک کے حامی بننے کی بجائے اس کے مخالف بن گئے ۔ اور ان کی منافقت اور عدم تعاون کے نتیجہ میں احیاء دین کی یہ عظیم جدوجہد بار آور نہ ہو سکی ۔

۲۔ آپ نے اپنے جہاد کا مرکز مرکزی ہند کی بجائے پنجاب کا شمال مغربی حصہ منتخب کیا ۔ اس علاقے کے مسلمانوں کی تربیت اس انداز میں نہ ہوئی تھی جو اسلامی جہاد کے لئے ضروری تھی ۔ نہ ان میں وہ جرأت ایمانی تھی نہ وہ خلوص اور جذبہ ایثار و قربانی موجود تھا ۔ جو اسلامی جہاد کی کامیابی کے لئے ضروری ہے ۔ اس لئے اس علاقے کے سرداروں اور عوام نے منافقت اور غداری کی ۔ جو اتنی بڑی عظیم اسلامی تحریک کی ناکامی کا باعث بنی ۔

اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے انہیں خاص طور پر اس علاقے کی ذہنی فکری اور عملی اصلاح کی شدید ضرورت تھی بہر حال آزادیٔ وطن اور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے آپ نے جو جہاد کیا اور پورے برصغیر میں جو تحریک چلائی وہ حالات کے ساتھ ساتھ مختلف صورتوں میں جاری رہی اور جاری ہے ہم آج جن منزلوں سے گذر رہے ہیں وہ انہی قدسی صفات ہستیوں کے قائم کردہ نشان ہائے راہ ہیں ۔ سر محمد ناصر الملک مہتر چترال نے خوب کہا ہے ؎

ہندیانِ خفتہ را بیدار کرد ۔۔۔ بندگانِ نفس را احرار کرد
خونِ خود را در کہ و کہسار ریخت ۔۔۔ لیک بیخ حریت در ہند بیخت
اندراں وقتے کہ در ہندوستاں ۔۔۔ سنت اندر ابر بدعت بُد نہاں
گفت اسمٰعیل معبودم خداست ۔۔۔ پیشوائے من محمد مصطفیٰ ست
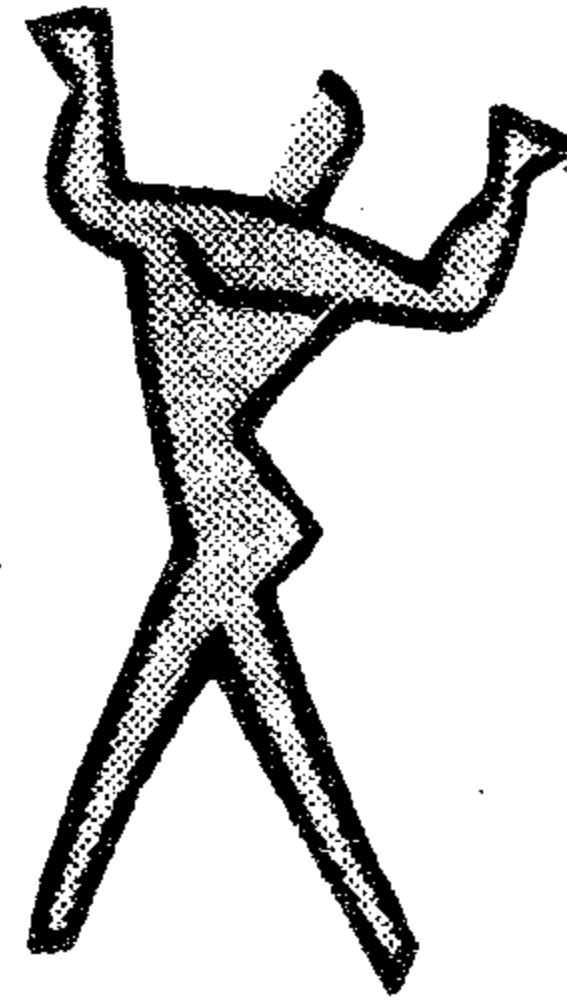
Adarts MAL-1/80
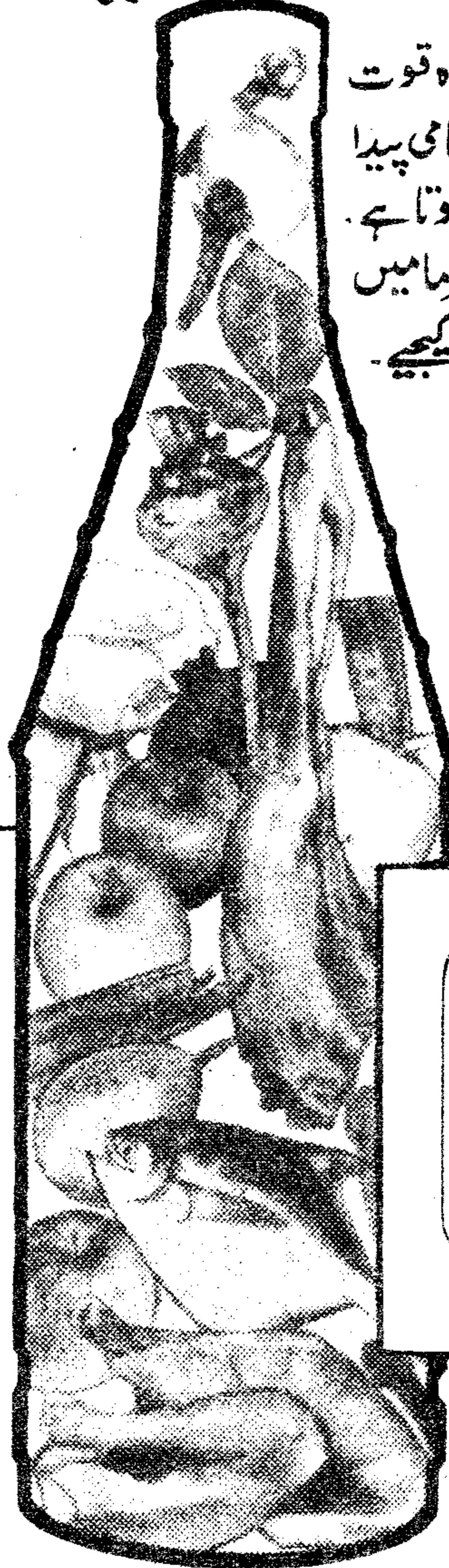
از جناب مظفر عباسی
(مری)

مدارس عربیہ
اور
جدید علوم

ہمارے ہاں عربی مدارس میں جو نصاب تعلیم پڑھایا جاتا ہے یعنی درس نظامی۔ یہ جب ترتیب دیا گیا تھا تو اس وقت کے عمومی حالات رائج علوم اور ملت کے دینی اور بنیادی تقاضوں کو مدنظر رکھا گیا تھا۔

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کے بعد حالات بدل گئے تو عربی مدارس کے ارباب بست و کشاد نے اس نصاب میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی۔ اور کئی بار صلاح و مشورے ہوئے اور بعض درسگاہوں میں درس نظامی والے نصاب میں اچھی خاصی تبدیلی تجویز کی گئی۔

تحریک آزادی ہند کی جدوجہد میں مسلمانوں کے ایک مخصوص طبقے کی غلط سوچ نے علی گڈھ اور دیوبند کی تحریکوں کو بظاہر متضاد اور متصادم تحریکوں کی صورت دے دی۔ ورنہ آغاز کار کے وقت علی گڈھ کی تحریک علماء دیوبند کے مشورے اور تعاون سے شروع ہوئی تھی۔

جب علی گڑھ کی تحریک نے انگریز دوستی کی راہ اختیار کی اور اس درسگاہ پہ سرکاری نصاب ہی نہیں سرکاری افکار و خیالات بھی چھا گئے۔ اور اس کا دینی رنگ جاتا رہا۔ تو ندوۃ العلماء کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اور دوسری طرف شیخ الہند کی تائید و حمایت سے جامعہ ملیہ دہلی وجود میں آیا۔

قیام پاکستان کے بعد بھی علمائے کرام کی طرف سے درس نظامی میں حالات حاضرہ کے مطابق تبدیلیوں کی تجاویز آتی رہی ہیں۔ اور اب جو دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ جلسہ ہوا اس میں بھی درس نظامی میں مناسب تبدیلی اور جدید علوم کو شامل نصاب کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔

ادھر اخبارات میں حکومت پاکستان کا یہ فیصلہ شائع ہوا ہے کہ عربی مدارس کے نصاب میں سکولوں اور کالجوں

کے نصاب کو شامل کیا جارہا ہے ۔ میں نے الحق ہی کے صفحات پر اس سے پہلے بھی عرض کیا تھا اور اب بھی اپنی اس سوچی سمجھی رائے کا اظہار کرتا ہوں کہ حکومت اور بالخصوص سرکاری مدارس کے ارباب بست وکشاد عربی مدارس کے نظام میں دخل انداز نہ ہوں ۔ اس سے یہ لوگ اپنے پورے اختیارات اور حکومت کی طرف سے مالی وسائل کے استعمال کے باوجود سرکاری مدارس کے مقاصد کے حصول میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں یعنی ۔

۱۔ جن مقاصد کے لئے قومی خزانے سے بے پناہ دولت صرف کرکے سرکاری سکول کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی جارہی ہیں وہ مقاصد حاصل نہیں ہو رہے ۔

۲۔ ہمارا نصاب تعلیم ۔ طریقہ امتحانات اور سلسلہ نظم وضبط بری طرح ناکام ہو چکے ہیں ۔ اور جب کبھی حکومتی سطح پر کوئی تبدیلی ہوتی ہے تو اس ناکامی کا اعتراف کیا جاتا ہے ۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ حکومت کی تبدیلی کے بنیادی اسباب میں ایک بڑا سبب ہمارے اس نظام تعلیم کا ناکام ہونا بھی رہا ہے ۔

۳۔ سرکاری مدارس کے مقابلے میں عربی مدارس اپنے مقاصد میں زیادہ کامیاب ہیں ۔ آپ عربی مدارس کے مقاصد سے اختلاف کر سکتے ہیں ۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا نظام ایسا ہے یا ایسے ہاتھوں میں ہے کہ یہ مدارس اپنے مقصد میں کامیاب ہیں ۔

غرض میں یہ تو کہہ نہیں سکتا کہ عربی مدارس پر سرکاری مدارس کی بالادستی ہو البتہ یہ ضرور عرض کروں گا کہ عربی مدارس میں ایسی تبدیلیاں ضرور لائی جائیں جن کے لئے قوم سرکاری مدارس پر اعتماد کئے ہوتے ہے ۔

حکومت کے فیصلے کے مطابق ہمارے عربی مدارس کی اسناد پرائمری ، ثانوی (میٹرک) اور اعلیٰ (بی اے) کی اسناد کے برابر ہوں گی ۔ اور نصاب میں ریاضی ، عمرانیات اور سائنس کا اضافہ کیا جائے گا ۔

اخباری اطلاعات کے مطابق درس نظامی کے آخری امتحان میں معاشیات ، سیاسیات اور سائنس میں سے کوئی دو پرچوں کا اضافہ تجویز کیا گیا ہے ۔ یہ اضافہ نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے مجھے یقین ہے کہ ہمارے عربی مدارس کے ذمہ داران کی طرف سے اس اضافہ کی مخالفت نہیں ہوگی ۔

البتہ یہ بات توجہ طلب ہے کہ

۱۔ عربی مدارس کے نصاب میں تبدیلی کر کے یا اضافہ کر کے اسے سرکاری مدارس میں رائج نصاب تعلیم کے قریب لایا گیا ہے لیکن کیا یہ ضروری نہیں کہ سرکاری مدارس کے نصاب میں بھی اسی قسم کی تبدیلی کر کے اسے دینی مدارس کے نصاب کے قریب لایا جائے ۔

۲۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا (جیسا کہ اوقاف کے محکمہ میں ہو چکا ہے) کہ نصاب میں تبدیلی سے مدارس عربیہ کی انتظامیہ میں بھی تبدیلی کر دی جائے ۔

ظاہر ہے کہ جب حکومت درس نظامی کے فارغ علما حضرات کو بی اے کے برابر حقوق و مراعات دے گی تو اسے یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ آیا یہ لوگ واقعی درس نظامی کے فارغ التحصیل حضرات ہیں بھی یا نہیں۔ گویا حکومت کو امتحانات کے سلسلہ میں اس حقیقت کا اطمینان اور یقین دلانا ہوگا کہ جس کو سند دی جارہی ہے وہ ہر طرح سے اس سند کا حقدار اور اہل ہے اب یہ اطمینان اور یقین دلایا جا سکے گا؟ اس الجھن کے حل میں اس بات کا خدشہ ہے کہ پیشہ ور ملازم جو اپنے آپ کو ماہر تعلیم ظاہر کرکے بڑی بڑی تنخواہیں لے رہے ہیں وہ حکومت کو مشورہ دیں گے کہ امتحانات ان کی نگرانی میں ہوں اور اگر خدانخواستہ ایسا ہوگیا تو ہر وہ خرابی جو موجودہ سرکاری نظام تعلیم اور بالخصوص امتحانات کے طریق کار میں ہے وہ عربی مدارس کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

سفارش، نقل، غلاصے، جعلی اسناد وغیرہ نوعیت کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ہمارے سرکاری مدارس دوچار ہیں۔ اور یہ ماہرین تعلیم اختیارات کے باوجود ان مسائل کو حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تو جب یہ بیماری عربی مدارس میں بھی پہنچ جائے گی تو پورا معاشرہ بکھر کر رہ جائے گا۔

جب عربی مدرسے کی سند سے ملازمت اور دوسری مراعات کا حصول ممکن ہوگا تو ایسے لوگ بھی عربی مدارس کا رخ کریں گے جن کا مقصد علم نہیں ملازمت ہوگا۔ اور یہ لوگ محض سند کے حصول کے لئے مدرسے میں داخلہ کی شرط پوری کریں گے اور غلط راہوں سے سندیں حاصل کرکے معاشرے کی بیخ کنی میں لگ جائیں گے۔

حاصل کلام یہ کہ حکومت کے لئے ضروری ہوگا کہ عربی مدارس کے نصاب پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ امتحانات پر بھی نظر رکھے اور اس سلسلے میں حکومت کی مداخلت کا مفہوم ان نام نہاد ماہرین تعلیم کی مداخلت ہوگا۔ جو قوم کی بے پناہ دولت اور وسائل کے استعمال کے باوجود بری طرح ناکام ثابت ہو چکے ہیں۔

دو لفظی بات کریں تو کہنا صرف یہ ہے کہ

۱۔ عربی مدارس کے نصاب میں حکومت کے فیصلے کے مطابق جدید علوم کو شامل کیا جائے ــــ اور

۲۔ عربی مدارس کے نظام میں سرکاری مداخلت نہیں ہونی چاہئے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ سرکاری مدارس کا نصاب پڑھایا جائے۔ اسناد کی حیثیت سرکاری اسناد کے برابر ہو۔ اور جن حضرات کے پاس یہ سندیں ہوں انہیں وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں جو سرکاری درس گاہوں کے فارغ التحصیل حضرات کو حاصل ہیں۔ اور ان سب باتوں کے ساتھ یہ بھی ہو کہ حکومت عربی مدارس کے نظام، طریق کار اور بالخصوص امتحانات میں دخل نہ دے۔

آج کی یہ گفتگو اس سوال کے جواب کی تلاش کے لئے مخصوص ہے۔

میرا خیال ہے کہ اگر ہم ان راستوں کو مسدود کردیں جو سرکاری مداخلت کے ہیں اور ان مسائل کو حل کرلیں جن کے

عمل کے بہانے سرکاری مداخلت ممکن بلکہ بعض اوقات ضروری ہو جاتی ہے تو پھر اگر حکومت کی نیت خراب نہ ہو تو مداخلت کا جواز باقی نہیں رہتا۔

پہلی چیز نصاب ہے۔ ریاضی، عمرانیات اور سائنس یہ تین علوم ہیں جن کا اضافہ کیا جا رہا ہے ان کے علاوہ ثانوی سطح تک انگریزی کو بھی شامل نصاب کیا گیا ہے۔ اگر عربی مدارس کے ارباب بست وکشاد یہ فیصلہ کر لیں کہ وہ اپنا نصاب خود تجویز اور مرتب کریں گے تو حکومت کی مداخلت کا یہ راستہ بند ہو جاتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نصاب میں کیا تجویز کیا جائے اور اسے کیسے تیار کیا جائے تو عرض ہے کہ ہر علم (یا مضمون) کا معیار پہلے سے طے شدہ ہے۔ نہ صرف پاکستان میں بلکہ کم وبیش ساری دنیا کی درس گاہوں میں پڑھائے جانے والے علوم کا معیار قریب قریب یکساں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک ملک میں جو دسویں جماعت کے نصاب کا معیار ہے۔ وہ کسی دوسرے ملک میں آٹھویں یا بارہویں جماعت کے نصاب برابر ہو سکتا ہے۔ گویا آپ آسانی سے اور فیصلہ کن انداز میں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے مدارس کے ثانوی درجے کے امتحانات میں ریاضی کا ہے۔

البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس معیار کی کتابیں آپ یعنی عربی مدارس والے خود تیار کریں۔ اور اس انداز میں تدریس کا اہتمام کریں کہ عربی مدرسے کا ماحول برقرار رہے۔ سکولوں میں ریاضی پہلی جماعت سے دسویں جماعت تک لازمی مضمون کے طور پر اس طرح پڑھائی جاتی ہے کہ ہر سال تھوڑا تھوڑا حصہ پڑھایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس عربی مدارس میں ریاضی کی ایک جامع کتاب جو اعداد کے تصور سے شروع ہو اور ثانوی درجے تک کے مسائل پر حاوی ہو ایک ہی سال میں اس طرح پڑھائی جا سکتی ہے جس طرح علم عروض یا فن کی کوئی دوسری کتاب پڑھائی جاتی ہے اگر بچہ ناظرہ اور حفظ کے مراحل طے کرتا ہوا عربی مدارس کے موجودہ نظام کے مطابق سکندر نامہ مقامات اور شرح جامی تک ترقی کرنے کے بعد ریاضی شروع کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ یومیہ صرف ایک تدریسی گھنٹے کی محنت سے وہ آٹھ دس ماہ میں سرکاری ثانوی مدارس کے معیار کی ریاضی پر عبور نہ حاصل کر سکے۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ اسی مقصد کے لئے موزوں اور مناسب کتاب تیار کی جائے۔

عمرانی علوم میں تاریخ، جغرافیہ، شہریت (سیاسیات) معاشیات وغیرہ علوم آتے ہیں۔ یہ علوم محض معلومات کا ذریعہ ہی نہیں ہوتے بلکہ ان سے ذہن سازی بھی کی جاتی ہے۔ ان علوم پر اچھی کتابیں لکھنا سرکاری مدارس کے اساتذہ کے بس کی بات ہی نہیں۔ وہ لوگ ان علوم پر ایسی کتابیں تو ترتیب دے سکتے ہیں جن میں معلومات کا اچھا خاصا ذخیرہ ہو۔ لیکن ایسی کتابیں نہیں لکھ سکتے جو ذہن سازی کرتی ہوں۔ مثلاً

تاریخ میں یہ تو بتایا جا رہا ہے کہ فلاں بادشاہ کے باپ کا یہ نام تھا اور اس کی تاریخ پیدائش اور سال وفات یہ ہے لیکن اس کے عہد کی ارتقائی تحریکوں۔ انقلابی کوششوں اور فکری واصلاحی کوششوں کی نشاندہی نہیں کی

جاتی۔ اسی طرح جغرافیہ میں یہ تو بتایا جاتا ہے کہ فلاں زمین کی مٹی کیسی ہے۔ اور اس میں کس قسم کی معدنیات پائی جاتی ہیں لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ اس ملک کا ماحول اسلام کے لئے کیسا ہے۔ اگر وہاں اسلام کی کرنیں روشن ہیں تو کیسے اور اگر تاریکی ہے تو اس کی وجوہات کیا ہیں۔ سیاسیات میں مختلف نظام ہائے حکومت کا بیان ملتا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ اسلامی نقطہ نظر سے کون سا نظام کس حد تک قابل قبول ہے۔ اور اس کے دلائل کیا ہیں۔ معاشیات میں مختلف نظریات سے تحت ملے گی لیکن حلال و حرام کا کہیں لفظ نہیں آسکے گا۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ عربی مدارس والے ان علوم پر اپنی کتابیں خود تیار کریں۔ اور پھر یہ کتابیں ایسی جامع ہوں کہ ایک علم پر ایک ہی کتاب (خواہ وہ حجم میں بڑی ہی کیوں نہ ہوں) مبادیات سے شروع ہو اور اس میں نصاب کے مطابق آخری تفصیلی مباحث تک شامل ہوں تاکہ طالب علم کا وقت ضائع نہ ہو اور نہ ہی استاد کی خدمات ضروری ہوں۔ یہ کتابیں محض مطالعہ کے ذریعے پڑھی اور سمجھی جاسکتی ہوں۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ ان میں مواد کم ہو۔ اور آسان ہوں بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کتابوں کی ترتیب اور زبان و بیان ایسے ہوں کہ استادوں کی ضرورت نہ رہے۔

سائنس کے بارے میں تو ہمیں بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اگر اس باب میں ان کتابوں پر اعتماد کیا گیا جو سرکاری نصاب کا حصہ ہیں تو نتائج نہایت خطرناک ہوں گے۔ اس باب میں سائنسی سوچ اور انداز فکر پر توجہ دینے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے پھر مسلم سائنس دانوں کا تعارف، ان کی کوششوں کے نتائج اور ان کی تحقیقات سے جدید تحقیقات کا وجود میں آنا یہ سب کچھ واضح کیا جانا ازبس ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ :

> عربی مدارس کے طلبہ پر یورپ کی لادینی سوچ کا رعب بیٹھ جائے گا۔ جو قومی خود کشی سے کسی طرح کم نہیں ہوگا۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو سائنس کے خلاف نفرت کا ایک ایسا ماحول پیدا ہو جائے گا جو ان مقاصد کے خلاف ہوگا جس کے حصول کے لئے سائنس کو شامل نصاب کیا جارہا ہے۔

لہذا ضروری ہے کہ عربی مدارس کے لئے سائنس کی نصابی کتابیں ایسے حضرات لکھیں جو دینی ذہن کے ساتھ ساتھ سائنس کے بارے میں وسیع معلومات بھی رکھتے ہوں۔ اور زبان و بیان پر قدرت ہو۔

رہی انگریزی زبان سو اس سلسلے میں سب سے پہلے میں حکومت کے اس فیصلے سے اپنے اختلاف کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ ضرورت صرف انگریزی کی نہیں بلکہ جرمنی، فرانسیسی، اطالوی اور روسی وغیرہ ترقی یافتہ ممالک کی زبانوں میں سے کسی ایک یا ایک سے زیادہ زبانوں کا سیکھنا لازمی ہو۔ انگریزی کی تخصیص غلط ہے یہ درست ہے کہ انگریزی ہماری سرکاری اور دفتری زبان ہے اور سرکاری ملازمت کے حقوق اور مراعات حاصل کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ سرکاری زبان جانتے ہوں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حکومت

فیصلہ کر چکی ہے کہ مستقبل قریب میں ہماری سرکاری زبان اردو ہوگی۔ تو پھر انگریزی کی تدریس پر اصرار کیوں ہے میں انگریزی زبان کے خلاف نہیں بلکہ اس کے خلاف رائے دے رہا ہوں کہ انگریزی کی تخصیص کیوں کی گئی ہے۔ اگر ہمارے نوجوان جرمن یا فرانسیسی سیکھ لیں تو کیا قومی اعتبار سے ہمارا یہ اقدام آزادی کی سمت میں پیش رفتاری نہیں ہوگا۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انگریزی یا ہندی نے ہمیں صرف انگریزی والے سامراجیوں کا دست نگر بنا ڈالا ہے۔ اگر ہمارے ہاں ترقی یافتہ ممالک میں رائج مختلف زبانوں کی تعلیم و تدریس کا عام بندوبست ہو جائے تو ہمارے تعلقات میں وسعت اور انداز فکر میں تبدیلی آسکتی ہے۔ آج ہم دنیا کا کوئی علم اور کسی قسم کی بھی تحقیق کے بارے میں جاننا چاہیں تو وہی کچھ جان سکتے ہیں جیسے انگریزی بولنے والی قوتوں نے پیش کرنا مناسب سمجھا ہے۔ گویا ہم ان کی اجازت اور پسند کے تابع ہیں۔

یہ موقعہ اس مسئلہ کی تفصیل میں جانے کا نہیں۔ کہ نصاب تعلیم میں انگریزی زبان کی لازمی حیثیت نے ہمیں کیا دیا۔ اور کیا کچھ حاصل کرنے سے روک رکھا ہے۔ اس وقت عربی مدارس کے نصاب میں انگریزی زبان کے شمولیت کے سرکاری فیصلہ کے پیش نظر نئے اقدامات کی تجاویز پر غور کرنا مقصود ہے۔

میرا خیال ہے کہ انگریزی زبان کا جو نصاب ہمارے سکولوں میں رائج ہے وہ عربی مدارس کے لئے قطعاً موزوں نہیں۔ اس کے برعکس ہمیں اپنے لئے ایک ایسا نصاب مرتب کرنا چاہیئے جس میں زبان تو انگریزی ہو لیکن خیالات خالص دینی اور مذہبی ہوں۔ مثلاً قرآن کریم کی آیات اور احادیث مبارکہ کے سیرت النبیؐ اور تاریخ اسلام کے اجزاء وغیرہ کے انگریزی تراجم پر مشتمل نصاب مرتب کیا جائے۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ جدید علوم کی تدریس کے وقت طالب علم کو یہ تاثر دیتے رہیں کہ یہ جو کچھ پڑھا اور پڑھایا جا رہا ہے یہ مسلمانوں کا اپنا علمی ورثہ ہے جس میں اہل مغرب نے کسی قدر اضافہ کیا ہے۔ اور اسی طرح انگریزی زبان کی تدریس کے ساتھ ساتھ عربی زبان کی وسعت و گہرائی کے تصور کو بھی اجاگر اور واضح کرنا ازبس ضروری ہے۔ یہ محض ہماری تہذیب و ثقافت کی بقا اور حفاظت کا ہی تقاضا نہیں۔ بلکہ ایک علمی حقیقت بھی ہے جس کی طرف جان بوجھ کر توجہ نہیں کی گئی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا جامع نصاب کون کرے اور اس کی اشاعت و ترویج کا کیا اہتمام ہو؟ سو عرض ہے کہ وفاق المدارس کے تحت ایک نصابی کمیٹی قائم کی جائے۔ یہ کمیٹی نصاب کا خاکہ مرتب کرے کہ کس مضمون کی کس کتاب میں کیا کیا مسائل زیر بحث لائے جائیں۔ اس کے بعد اسی کمیٹی کی نگرانی میں کتابوں کی تصنیف، تالیف کا بندوبست کیا جائے۔ اور جب کتابیں مرتب ہو جائیں تو وفاق کی طرف سے انہیں طبع کرانے کے بعد حکومت کو پیش کی جائیں۔ اور اسے بتایا جائے کہ ہم جدید علوم میں یہ کچھ پڑھانا چاہتے ہیں اور انہی کتابوں کے مطابق

امتحانات ہوں گے۔ اس طرح نصاب کے راستے عربی مدارس کے نظام میں سرکاری مداخلت کی راہیں مسدود ہو جائیں گی۔

سرکاری مداخلت کا دوسرا راستہ تدریس کا ہے حکومت چاہے گی کہ سرکاری درس گاہوں کی فارغ التحصیل اساتذہ عربی مدارس میں جدید علوم کی تدریس کا کام کریں۔ گویا عربی مدارس سے فارغ ہونے والے علما حضرات کو سرکاری ملازمت کا وعدہ کر کے سرکاری مدارس سے فارغ ہونے والوں کو عربی مدارس میں فوری ملازمت دلادی جائے۔ اور بات صرف ملازمت تک محدود ہوتی تو قابل برداشت تھی لیکن ہوگا یہ کہ سرکاری مدارس سے آنے والے اساتذہ ہزار کوشش کے باوجود عربی مدارس کے نظام میں جذب نہیں ہو سکیں گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مدارس کا ماحول دو عملی کا شکار ہو جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ عربی مدارس کے اساتذہ باہر سے نہ لئے جائیں۔ بلکہ نصاب مرتب ہو جانے کے بعد اپنے اساتذہ تیار کئے جائیں۔ اور یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ وفاق کی زیر نگرانی ایک تربیتی مرکز قائم کر دیا جائے جس میں اساتذہ کی تربیت کا بندوبست ہو جہاں چھ سات ماہ میں جدید علوم پڑھا دئے جائیں۔

انگریزی زبان کو چھوڑ کر باقی وہ تمام جدید علوم جو حکومت عربی مدارس کے نصاب میں شامل کرنا چاہتی ہے ان کی تعلیم صرف چھ ماہ کی مختصر سی مدت ایسے حضرات کو دی جا سکتی ہے۔ جو عربی مدارس کے فارغ التحصیل ہیں اور بطور مدرس کام کر رہے ہیں۔ سرکاری سکولوں اور کالجوں میں محض ضوابط ہیں جن کا اہتمام کیا جا رہا ہے ورنہ درس و تدریس کا کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ عربی مدارس کے مقابلے میں سرکاری مدارس میں برائے نام محنت اور کام ہوتا ہے۔ بی۔ اے سطح کی معاشیات، جنرل سائنس۔ سیاسیات تاریخ اور جغرافیہ وغیرہ کی ساری کتابیں درس نظامی کے اساتذہ صرف چھ ماہ میں پڑھ کر درجہ اول میں امتحانات پاس کر سکتے ہیں عربی مدارس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے اساتذہ باہر سے نہ لیں بلکہ اپنے ہی اساتذہ سے کام لیں۔

رہی انگریزی زبان سو اس کے لئے عربی مدارس کے ہاں اساتذہ کی کمی نہیں۔ بے شمار لوگوں نے درس نظامی میں اسناد حاصل کرنے کے بعد انگریزی زبان سیکھ لی ہے۔ اور ان کی انگریزی زبان میں استعداد بالخصوص قواعد میں سرکاری مدارس کے اساتذہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔

عمرانیات کے باب میں ایک بات جس کی طرف توجہ نہیں کی گئی اور عربی مدارس کے نصاب میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ وہ مذاہب اور تہذیبوں کا تقابلی مطالعہ ہے۔ ہمارے نصاب میں جو تاریخ۔ شہریت اور معاشیات کی کتابیں پڑھائی جائیں ان میں مذہب، اور تہذیب کو خاص جگہ دی جائے۔ اور پھر جس دور کی تاریخ ہے اور جس ملک کی سیاست، اور جس معاشرے کی معاشیات کے مسائل زیر بحث ہوں۔ اس دور، اس ملک اور اس معاشرے میں مذہب، اور پھر اسلام اور دوسرے مذاہب کے اندازہائے فکر پر روشنی ڈالی جانی چاہئے۔ اس سے علوم میں عمرانی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ طالب علم کا ذہن اسلامی نظریات

باقی ص ۱۷ پہ

M
Montgomery
biscuits
and
sweets
taste better
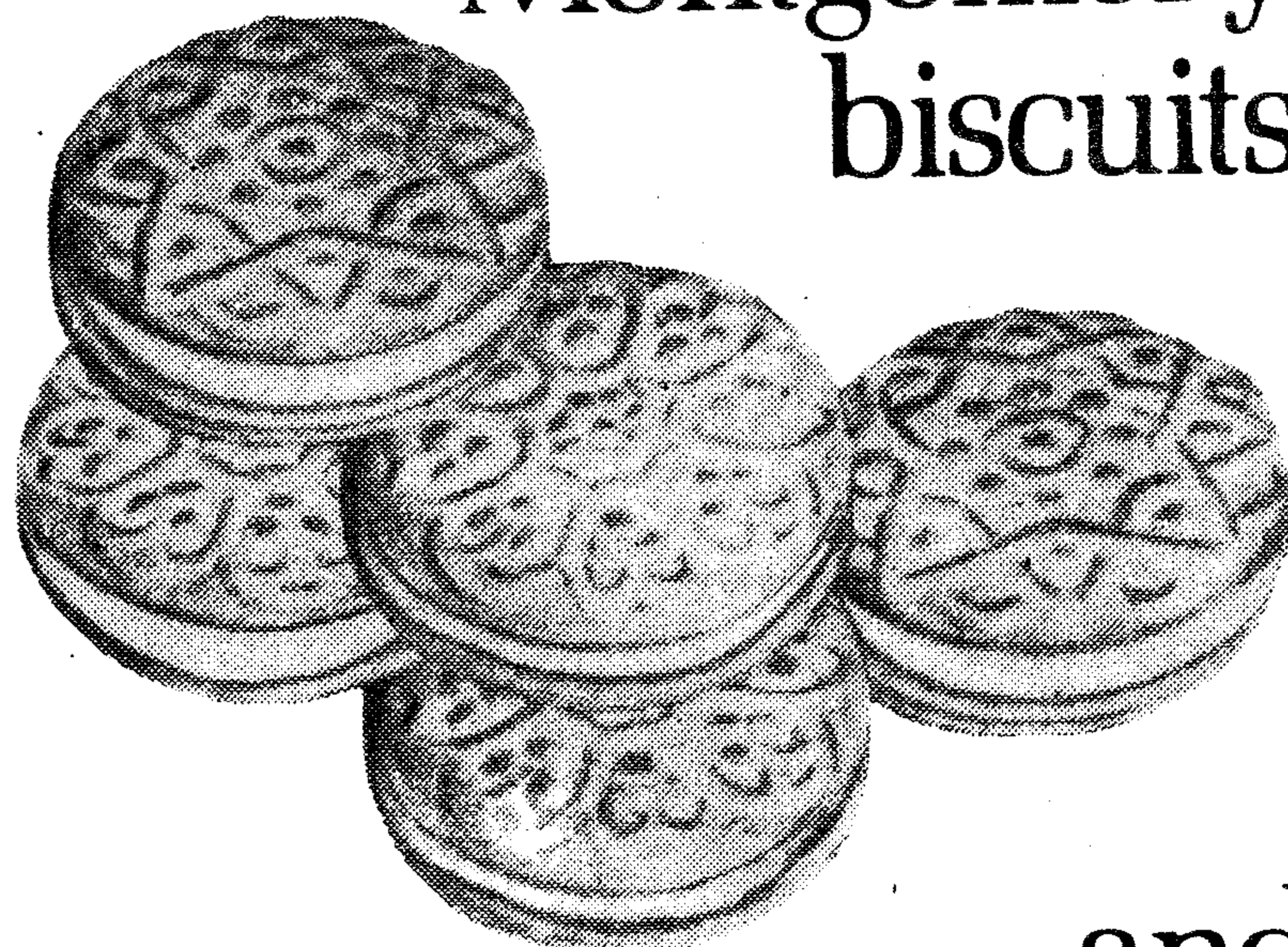
از مولانا اخوندزادہ عبدالقیوم حقانی (فاضل دارالعلوم حقانیہ)
مدرس دارالعلوم حنفیہ چکوال

دستورِ اسلامی کا چوتھا ماخذ
رائے و قیاس اور امامِ اعظم ابو حنیفہؒ

لا یُرمیٰ شجرٌ اِلّا ذُو ثَمَرٍ آخر نہ ماننے والوں نے اتنا اور ایسا ہی کیا جتنا اور جیسا کہ ایک باکمال اور مقبول عند اللہ شخصیت کے ساتھ مخالفین اور حاسدین کرتے ہی آئے ہیں۔ ع

ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

اور کیوں نہ کرتے؟ جب کہ ایسا ہونا ایک فطری اور واقعاتی امر ہے۔ کیونکہ صبحی محمصانی فرماتے ہیں۔

حنفیوں کی تعداد جملہ اہل اسلام کی دو تہائی ہے۔ مالکیوں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ ہے۔ شافعیوں کی تعداد ۱۰ کروڑ اور حنبلیوں کی تعداد ۳۰ لاکھ ہے۔ (فلسفہ تشریع فی الاسلام)

عالم اسلام کا دو تہائی حصہ جس کا نام لیوا اور پیرو کار ہو اسی تناسب سے اس کے مخالفین اور حاسدین کے وجود کو باعثِ تعجب سمجھنا ایک فطری حقیقت کا انکار ہے۔ لا یرمیٰ شجر ذو ثمر۔ چنانچہ اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ ابن حجر مکیؒ "خیرات الاحسان" میں رقمطراز ہیں :-

ان الامام ابی حنیفہ کان لہ حسّاد کثیرون فی حیاتہ وبعد مماتہ

امام ابو حنیفہ کے بہت سے حسّاد تھے۔ ان کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی۔

صاحبِ تنسیق النظام بھی یوں فرماتے ہیں :-

کان ابوحنیفہ یحسد وینسب الیہ مالیس فیہ ویختلق الیہ مالا یلق

امام ابو حنیفہ کے حاسد بہت تھے اور وہ ایسے امور ان کی طرف منسوب کرتے تھے جو ان میں نہ تھے۔

(کتاب العلم لابن عبدالبر)

جب امام صاحب کی ذکاوت، فطانت اور تبحرِ علمی کی وجہ سے کثرت سے اہل علم آپ کی درسگاہ میں آ

اگر شرف تلمذ ہی کو بڑی سعادت سمجھنے گے۔ تو آپ کے اس عظیم منصب کے پیش نظر کثرت سے حاسدین ومخالفین کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ یہ امام صاحب ہی کی کمال اہمیت اور بہت بڑی عظمت کی دلیل ہے۔ ع

جو تو نہ خوب ہوتا تو وہ کیوں محسود ہوتا

حاسدین ومادحین اور تقابل شیخ یحییٰ بن معین محدث نے کس قدر بجا اور صحیح فرمایا۔

"جب لوگ اس کی سعی نہ کر سکے (یعنی علم واجتہاد میں مقام ابوحنیفہ تک رسائی) تو حسد کرنے لگے اور دشمن ہو گئے۔ (مناقب موفق)

امام صاحب کے مخالفین وحاسدین میں نعیم بن حماد (استاد امام بخاری) خطیب۔ دارقطنی اور ابن جوزی کو امامت کا مقام حاصل ہے۔ جب کہ امام صاحب کے مادحین میں ہر بزرگ علم وعمل اور دین کا ایک ستون ہے جیسے امام اعمش، شعبہ، مالک، مسعر بن کدام ثوری، وکیع، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن معین، حسن بن عرفہ، یزید بن ہارون

ان حضرات کے مقابلہ میں یحییٰ بن سعید، عبداللہ بن دینار، امام جعفر صادق، امام لیث محدث۔ جیسے اکابر کے اقوال تو قابل التفات ہو سکتے ہیں۔ خطیب، دارقطنی اور ابن جوزی کا یہاں ذکر کیا؟ یہاں تو بخاری ومسلم کی بھی ہستی نہیں جہاں تک نعیم بن حماد کی بات ہے۔ اس سے متعلق ہم یہاں میزان جلد ثالث سے ایک حوالہ نقل کرتے ہیں۔

قال الازدی کان نعیم یضع الحدیث فی تقویة السنة و حکایات مزورة فی ثلب النعمان کلها کذب

ازدی کہتے ہیں کہ نعیم تقویت سنّت کے لئے حدیث وضع کیا کرتا تھا اور امام ابوحنیفہ کے معائب میں حکایات گھڑا کرتا تھا جو سب جھوٹ ہیں۔

امام صاحب کی مدح جن بزرگوں سے ثابت ہے اس کے مقابلہ میں بھی اسی پایہ کے بزرگوں کے اقوال پیش کرنا چاہئیں۔

صرف اپنے اور احناف ہی نہیں بلکہ دوسرے مذاہب کے ائمہ نے بھی بغیر تعصب کے امام صاحب کی مدح کی ہے۔ جیسے "امام سیوطی شافعیؒ۔ احافظ ابن حجر مکی شافعیؒ۔ امام ذہبی شافعیؒ حافظ ابن حجر عسقلانی، شافعیؒ۔ امام نووی شافعیؒ۔ امام غزالی شافعیؒ۔ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ۔ علامہ یوسف بن عبدالہادی حنبلیؒ۔ مورخین میں علامہ ابن خلدون۔ اور ابن خلکان شافعیؒ وغیرہ

اگر مدح وذم کرنے والوں کی تعداد پر نظر کی جاتے تو بھی مدح کا پلہ بھاری ہے چنانچہ علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ

جن لوگوں نے امام صاحب کی توثیق کی ہے وہ اُن لوگوں سے بہت زیادہ ہیں جنہوں نے ان پر طعن کیا ہے
(خیرات الحسان)

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی ہے کوئی کہ جسے سب اچھا کہیں

قلت حدیث کا الزام | مخالفین کا امام اعظمؒ ابو حنیفہ پر قلت حدیث کا الزام کہاں تک درست ہے اور اس کے پس منظر میں حقیقت کا وجود عنقا اور بغض و عداوت و کذب و افترا کس قدر کارفرما ہے قارئین کو ہماری گذشتہ تین قسطوں سے اس کا اندازہ لگ چکا ہو گا۔ اگلی بات کو سمجھنے کے لئے گذشتہ معروضات کا خاکہ ذہن میں ہونا ضروری ہے۔

مزید دو الزام | فقہ و رائے کی طرف امام صاحب کا انتساب۔ (۲) قیاس و رائے کو حدیث پر ترجیح دینا مخالفین اپنے اعتراضات کے ان دونوں عنوانات کو خوب طعن و تشنیع، کذب و افتراء، غلط بیانی اور ملمع کاری سے سجا بنا کر سرتاج الفقہاء سید الطائفہ۔ امام الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی شان میں جس قدر دریدہ دہنی سے استہزاء و گستاخی کرتے ہیں اسی قدر اس کو خدمت اسلام، اشاعت دین اور توشۂ آخرت بھی یقین کرتے ہیں ع

متاعِ خلد ہے دنیا میں آدمی کے لئے

ایک حقیقت کا اعتراف | یہ بجا ہے کہ تاریخ اسلام، طبقات رجال اور مناقب وغیرہ کی کتب میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کو "امام اہل الرائے" سے ملقب یاد کیا جاتا ہے۔ ہمیں بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے اور ہم امام صاحب کے اس عظیم منصب کو پوری ملت حنفیہ کے لئے باعث افتخار و فضیلت سمجھتے ہیں ع

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

مگر ایسے لوگ جو تعصب، حسد و بغض و عداوت، غلط روی اور کج فہمی کو متاع عزیز اور غنیمت سمجھ کر ایک لمحہ چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوں تو ایسے نافہموں کو اگر "امام اہل الرائے" کے لقب سے اچھی خاصی ٹھوکر لگ لگ بھی گئی ہو اور پھر اگر ان گم کردہ راہ لوگوں نے عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی کوشش بھی کی ہو۔ اور کرتے بھی رہیں تو پھر کیا اس سے یہ چیز لازم آ سکتی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب (جن کی رائے بڑی دقیق، عقل بڑی تیز، بصیرت بڑی گہری اور جو مشکل احادیث اور غیر منصوص مسائل کو اپنے ناخن تدبیر سے حل کرنے کے خوگر ہوں) کا "اہل الرائے" ہونا شرعاً مذموم اور موجب تنقیص بھی ہو؟

دیانت کا خون | جنہوں نے رائے کے لغوی معنی تک جاننے کی کوشش نہ کی ہو جو لغوی اور شرعی لحاظ سے اس کے مذموم اور موجب تنقیص یا محمود و باعث فضیلت کے علم بدیہی سے بھی کورے ہوں، جو رائے کے استعمال اور اس

کے موقعہ و محل تک سے ناآشنا ہوں آخر انہیں یہ حق دنیا کس قدر ناانصافی اور دیانت کا خون ہے۔ کہ وہ امت کے عظیم فقہا یعنی امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے "اصحاب رائے" ہونے کے عظیم منصب و فضیلت پر نہایت اوچھی زبان میں شرعی حدود سے متجاوز، کج فہمی پر مبنی حد درجہ دریدہ دہنی سے تنقید و تبصرہ کریں۔

مگر یہ توقع بھی ہرگز صحیح نہیں کہ سنجیدہ، اہل دانش و اہل بصیرت طبقہ بھی سوچے سمجھے اور تحقیق کئے بغیر ہی ایسوں کی چھانٹ کھانٹ اور افترا، اور بہتان کو فتویٰ سمجھ کر دین کے عظیم اساس اور دستورِ اسلامی کے چوتھے ماخذ رائے و قیاس (فراست مجتہدین جس پر ملت اسلامیہ کے اکثر طبقات حضرات صحابہؓ تابعین، فقہا و متکلمین کا اتفاق ہے۔ کہ کتاب و سنت اور اجماع کے بعد قیاس ہی اسلامی قانون کا ماخذ اور بنیادی اصول ہے) کا انکار کر کے شیعہ، اہل ظواہر، معتزلہ اور خوارج کی صف میں اپنے آپ کو کھڑا کر دیں گے۔

مجدد الف ثانیؒ کی وضاحت | زرادی، زنجانی، نحو میر اور ہدایۃ النحو پڑھ کر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مہارت تامہ کا دعویٰ کر کے ائمہ دین و جبالِ علوم کی توہین و استہزا کرنے والوں کے حضور ہم اتنی سی گذارش ضرور کریں گے کہ اسلاف کے علوم و معارف اور تحقیق و تدقیق سے بے نیاز ہو کر بھی قرآن و حدیث سے تمسک، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع، اور اپنے ہی کو اسلاف سے منسوب سمجھنے کا دعویٰ زیبا نہیں، منوانا اور یقین کروانا تو ہمارے اختیار میں نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا کروا سکتا ہے۔ الا اللہ۔ تاہم بتانا آگاہ کرنا اور مسلک حق کی نشاندہی کرنا ہر دور میں امت کے ہر فرد بالخصوص علماء حق کا فرضِ اولین اور فرضِ منصبی رہا ہے۔ اسی فرض منصبی کو شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے یوں ادا فرمایا ہے۔

جماعت کہ ایں اکابرِ دین را اصحابِ رائے میدانند اگر ایں اعتقاد دارند کہ ایشاناں بہ رائے خود حکم می کردند۔ و متابعت کتاب و سنت نمی نمودند پس سوادِ اعظم و اہلِ اسلام بزعم فاسد ایشاں ضال و مبتدع باشند بلکہ از جرگہ اسلام بیروں بوند۔ ایں اعتقاد نہ کند مگر جاہلے کہ از جہل خود بے خبر است یا زندیقے کہ مقصودش ابطال شطرِ دین است۔

ناقصے چند احادیث را یاد گرفتہ اند و احکام شریعت را منحصر در آں ساختہ اند۔

وہ جماعت جو ان اکابرین کو اصحاب رائے سمجھتی ہے۔ اگر یہ اعتقاد کرتی ہے کہ یہ حضرات اپنی رائے سے عمل کرتے تھے اور کتاب و سنت کی پیروی نہیں کرتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق مسلمانوں کی اکثریت گمراہ اور بدعتی ہو گی۔ بلکہ اہل اسلام کے ٹولہ ہی سے باہر ہو گی۔ اور یہ خیال یا تو وہ جاہل کرے گا جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا وہ زندیق کرے گا۔ جس کا مقصد نصفِ دین کو باطل کرنا ہے۔

کچھ کوتاہ فہم چند حدیثیں یاد کر کے احکام شریعت

کو انہی میں منحصر کرتے ہیں۔

وماورائے معلوم خود را نفی مینمایند و آنچہ نزد ایشاناں ثابت نشدہ نفی می سازند چوں آں کرمے کہ در سنگ نہاں است زمین و آسمان او ہماں است

اور اپنے معلومات کے علاوہ اور ہر چیز کی نفی کرتے ہیں اور جو چیز ان کے نزدیک ثابت نہ ہو اس کی نفی کرتے ہیں۔ جیسے وہ کیڑا جو پتھر میں چھپا ہوا ہو اس کی زمین و آسمان ہی بس وہ ہے۔

(مکتوبات امام ربانی۔ دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۵۵)

دوسرے ہزارے کے عظیم مجدد کی تحقیق ہی یہ ہے کہ جو لوگ مطلق رائے اور "اصحاب رائے" کو گمراہی سے منسوب کرتے ہیں اور خود حدیث دانی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ وہی لوگ ہیں جنہیں حدیث رسول پاکؐ سے ذوق سلیم ہی نہیں اور جن کا مبلغ علم چند حدیثوں کے حفظ تک محدود ہے۔ رائے و قیاس اصحاب رائے اور "امام اہل الرائے" کے بارے میں گندے۔ فاسد، غلیظ اور متعصب ذہن رکھنے والوں کو حضرت مجددؒ نہ صرف کوتاہ فہم، کم علم اور جاہل قرار دیتے ہیں بلکہ آپ کے نزدیک تو ایسوں کا مرتبہ زندیق سے کسی طرح بھی کم نہیں۔

اسلاف کی مرمایہ تحقیق ہماری تعلیم اور ہمارا مبلغ علم اپنے اسلاف ہی کے علوم و معارف اور تحقیق و تدقیق کا مرہون منت ہے۔ اس لئے زیر بحث مسئلہ میں بھی اسلاف کی تحقیقات سے استفادہ ناگزیر ہے چنانچہ لغت کے مشہور علامہ شیخ ابو الفضل قرشی اپنی مشہور عالم کتاب صراح صہ ۱۵۵ میں رائے کا معنی "دل کی بصیرت اور بینائی" بتاتے ہیں۔

الشیخ محمد طاہر الحنفیؒ اپنی کتاب مجمع البحار جلد ا صہ ۵۴۰ میں یوں رقمطراز ہیں۔

و المحدثون یسمّون اصحاب القیاس اصحاب الرای یعنون انّھم یاخذون برایھم فیما یشکل من الحدیث او ما لم یاتِ فیه حدیث ولا اثر

محدثین اصحاب قیاس کو اصحاب رائے کہتے ہیں اس سے وہ مراد یہ لیتے ہیں کہ وہ مشکل حدیث کو اپنی رائے اور سمجھ سے حل کرتے ہیں اور ایسے مقام پر وہ اپنے قیاس اور رائے سے کام لیتے ہیں جس میں کوئی حدیث موجود نہیں ہوتی۔

علامہ ابن اثیر الجزریؒ نے بھی کم و بیش ان ہی الفاظ میں اسی مفہوم کی بات کہہ دی ہے۔

(نہایہ جلد ۲ صہ ۱۷۹)

الشیخ علامہ ابو الفتح ناصر الدین المطرازی رائے کا لغوی معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

الرأی ما ارتاہ الانسان واعتقدہ ومنہ ربیعۃ الرای بالاضافۃ اہل المدینہ
رائے اس نظریہ اور اعتقاد کو کہتے ہیں جس کو انسان اختیار کرتا ہے۔ اور اس سے اضافت کے ساتھ ربیعۃ الرائے ہے۔

(المغرب جلد ا صہ ۱۹۷۔ بحوالہ مقام ابی حنیفہ)

ربیعۃ الرائے حافظ ذہبی امام ربیعۃ الرائے کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

وکان اماماً حافظاً فقیہاً مجتہداً بصیراً بالرائے ولذالک یقال لہ ربیعۃ الرائے
وہ امام، حافظ، فقیہہ، مجتہد اور رائے و قیاس کے بڑے ماہر تھے اس لئے ان کو ربیعۃ الرائے کہا جاتا ہے۔

(تذکرہ جلد ا صہ ۱۴۸۔ بحوالہ مقام ابی حنیفہ)

امام احمد بن حنبلؒ اور امام نسائی نے آپ کو ثقہ بتایا ہے (تاریخ بغداد جلد ۸ صہ ۴۲۵)

مگر جیسا کہ ہو رہا ہے اور ہوتا آیا ہے اس زمانے کے چند حدیثوں کے حافظوں (جو بقول حضرت مجددؒ کوتاہ فہم کم علم۔ جاہل اور زندیق سے کم نہیں) نے ربیعہ کو رائے کی نسبت سے مبغوض جانا جناب حبیب عبدالعزیز بن ابی سلمہ عراق میں داخل ہوئے اور وہاں کے لوگوں نے ربیعۃ الرائے کے بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا

واللہ ما رایت احداً احوط بسنۃ منہ
بخدا میں نے ان سے بڑھ کر سنت میں محتاط کسی کو نہیں دیکھا۔

بھلا اس وہم کا اب کیا علاج کیا جائے جو بدگمانیوں اور افسانوں کے تاریک پردوں میں صدیوں سے چھپا چلا آرہا ہے۔ ہم نے "ربیعۃ الرائے" کا عنوان قائم کر کے یہی بتانا ہے کہ اس کھیل کے کھلاڑی نے نہیں بلکہ ربیعۃ الرائے جیسے حافظ حدیث، متبع سنت اور ثقہ و ثبت متبحر عالم دین سے صرف اس لئے پرہیز و اجتناب کیا گیا کہ آپ کے نام کے ساتھ رائے کا لفظ آتا تھا۔

اصحاب رائے کہلانے کی ایک لطیف توجیہہ علامہ شہرستانی اپنی مشہور عالم کتاب الملل والنحل جلد ۲ صہ ۱۴۶ پر لکھتے ہیں کہ

انما سموا اصحاب الرائے لان عنا یتھم تبحصیل وجہ من القیاس والمعنی المستنبط من الاحکام و بناء الحوادث علیہا
اور ان کا نام اصحاب رائے اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ قیاس کی علت کی جستجو میں خاص اہتمام کرتے ہیں جو احکام سے مستنبط ہوتا ہے اور حوادث

و ربما يقدمون القياس الجلی علی احاد الاخبار وقد قال ابوحنيفه علمنا هذا رای و هو احسن ما قدرنا عليه فمن قدر علی غير ذلك فله ما رای ولنا ما رأينا۔

کو ان پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے خود فرمایا کہ ہمارا یہ علم رائے ہے جس پر ہم پوری سعی کے ساتھ قادر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی اور رائے رکھتا ہے تو اس کو حق پہنچتا ہے جیسا کہ ہمیں رائے کا حق ہے۔

لاریب امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام ثوریؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد بن علی الاصبہانی حدیث و فقہ کے جامع امام تھے۔ مگر ان حضرات میں روایت اور حدیث کی حفاظت و خدمت کا وصف غالب رہا۔ اس وجہ سے یہ حضرات "اصحاب الحدیث" کے لقب سے موسوم ہوتے مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ پر باوجود حافظ حدیث ہونے کے اجتہاد و تفقہ اور استنباط کا وصف غالب رہا اس لئے آپ "امام اصحاب رائے" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

علامہ ابن خلدون کی تصریحات | اسی حقیقت ہی کے پیش نظر علامہ ابن خلدون بھی امام اعظم ابوحنیفہ کا "من کبار المجتہدین فی الحدیث" کے الفاظ سے تذکرہ کرکے آپ کی حدیث دانی، حدیث فہمی، علم حدیث میں فضل و تفوق اور فن روایت و درایت میں مہارت و امامت کو تسلیم کرتے ہوئے اسی تصویر کے دوسرے رخ کو بھی سامنے لاتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

و مقامه فی الفقه لا يلحق شهد له بذالك اهل جلدته و خصوصاً مالك و شافعی

فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس میں کوئی دوسرا ان کی نظیر نہیں رکھتا۔ اور ان ہی کے طبقہ کے حضرات خصوصیت سے امام مالک و شافعی نے اس کی شہادت دی ہے۔

مقدمہ ابن خلدون صہ ۴۴۷

علامہ ابن خلدون نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان چین، ماوراء النہر و بلاد عجم کا ہا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (مقدمہ صہ ۴۴۸)

دنیائے اسلام میں حنفی مکتب فکر کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ قریب قریب تین چوتھائی ملت حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے فقہی مسلک پر اعتماد رکھتی ہے جب کہ ترک تقلید اور فقہ سے اختلاف کا نظریہ رکھنے والے گروہ کو اپنی تنگ نظری اور خشک مزاجی کی وجہ سے امت میں کوئی فروغ حاصل نہ ہوا۔ آخر ایسے گروہ کو فروغ کیونکر ہی حاصل ہو۔ جو فقہ و اجتہاد اور استنباط سے مستغنی رہ کر بھی نت نئے مسائل و حوادث، نوازل و واقعات کا حل پا سکے۔ اس لئے تو علامہ ابن خلدون کو یہاں تک لکھنا پڑا کہ

ثم درس مذهب اهل الظاهر الیوم بدروس ائمتہ

پھر اسی زمانہ میں اہل ظاہر کا مذہب باقی نہیں رہا۔ کیونکہ ان کے ائمہ ہی ختم ہو گئے۔

(مقدمہ صہ ۴۴۶)

آگے لکھتے ہیں۔

و لم یبق الا مذهب اهل الرائے من العراق و اهل الحدیث من الحجاز

(مقدمہ صہ ۴۴۷)

اور باقی نہیں رہا مگر مذہب اہل الرائے جو عراقی ہیں اور اہل الحدیث جو حجازی ہیں۔

اہل الرائے عراقی اور اہل الحدیث حجازی۔ یہ دونوں گروہ فقہ کے تسلیم کرنے والے تھے اگرچہ دونوں کا طریق کار اور انداز فکر ایک دوسرے سے قدرے مختلف تھا۔ ان دو گروہوں کے علاوہ تیسرے کسی گروہ کے وجود کی نشاندہی بھی نہیں کی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تھا ہی نہیں۔ اگر بالفرض اس کے وجود کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ علماء فقہاء محدثین اور اکابر و اسلاف کے ہاں اس کو کوئی پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔

درحقیقت فقہ کی مخالفت، قیاس و رائے اور اجتہاد و استنباط کے انکار کے ساتھ پذیرائی کی توقع بے جا غلط اور ناممکن ہے۔

فقہ حنبلی میں رائے و اجتہاد چونکہ قیاس و رائے اور تفقہ و اجتہاد کے بغیر امت کو پیش آنے والے تمام مسائل مکمل طور پر حل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے تو امام احمد بن حنبلؒ (جن کا رتبہ اجتہاد و قیاس میں اتنا اونچا نہ تھا) کی فقہ کو وہ بلند مقام نہ مل سکا جو اوروں کو حاصل ہوا۔ اور نہ ان کے زیادہ مقلدین پیدا ہوتے۔ آخر وہ لوگ جنہیں اپنے سوا دوسرا نظر آتا ہی نہیں، خدا ہی کے دیئے ہوئے آنکھوں اور عقل و خرد سے کام کیوں نہیں لیتے۔ کہ جب ایسی فقہ جس میں رائے و اجتہاد کا استعمال کم ہو۔ اس کو تو شام و عراق اور اس کے ملحقات سے باہر تعارف بھی حاصل نہ ہو سکا ہو۔

فاما احمد بن حنبل مقلده قلیل لبعد مذهبه عن الاجتهاد و اصالته فی معاضدة الروایه و للاخبار بعضها و اکثرهم بالشام و العراق من بغداد و نواحیها و هم اکثر الناس حفظا لسنة

(مقدمہ ابن خلدون صہ ۴۴۸)

امام احمد بن حنبل کا مذہب اجتہاد سے بعید رہا ہے اور ان کا اصل الاصول ہی یہ ہے کہ روایت اور اخبار ہی میں سے بعض کی بعض سے تائید اور تقویت حاصل کی جائے اور ان کے اکثر پیرو شام و عراق اور اس کے آس پاس رہتے ہیں اور وہ سب لوگوں سے سنت کے زیادہ محافظ رہے ہیں۔

مگر یہ دعویٰ کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ کہ جن کے ہاں رائے واجتہاد کا وجود نہیں، وہی کہتے ہیں ہمارے سوا دوسرا موجود نہیں۔ تعجب ہے ایسوں پر جو سرے سے رائے واجتہاد کا انکار بھی کرتے ہیں اور اپنے ہی وجود کا اصرار بھی کرتے ہیں۔

فقہی نورانیت کا بڑا دریا | یہ بات پہلے بھی کہیں عرض کی جاچکی ہے کہ اکابر واسلاف کی تحقیق کے مطابق فقہ حنفی ہی قرآن وسنت اور صحیح حدیث کے زیادہ موافق ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے۔ کہ "مذہب حنفی میں عمدہ راستہ ہے جو صحیح حدیث کے زیادہ موافق ہے۔" (فیوض الحرمین)

امت مسلمہ کے متاخرین اکابر واسلاف میں مسلّم اور مایہ ناز شخصیت حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ "خلافیات فقہی کے اکثر مسائل میں حق بجانب حنفی ہے۔" (مبداء ومعاد)

ذیل میں حضرت مجددؒ ہی کی ایک اور شہادت ملاحظہ فرمائیے۔

بے شائبہ تکلف وتعصب گفتہ می شود کہ نورانیت دین مذہب حنفی بنظر کشفی در رنگ دریائے عظیم بینماید۔ وسائر مذاہب در رنگ حیاض و جداول بنظر مے درآیند وبظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ مے آید۔ سواد اعظم از اہل اسلام متابعان ابی حنیفہ اند

مکتوبات ربانی دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۵۵ صہ ۱۴

تکلف اور تعصب کی ملاوٹ کے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کشفی نگاہ میں حنفی مذہب کی نورانیت بڑے دریا کی مانند دکھائی دیتی ہے اور دوسرے مذاہب حوضوں اور نالیوں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ اور ظاہری طور پر بھی یہ بات دکھائی دیتی ہے۔ کہ اہل اسلام کی بڑی اکثریت امام ابوحنیفہ کی پیروی کرتی ہے۔

چونکہ اسلام عالمگیر مذہب ہے اور تا قیامت باقی رہنے والا دین ہے۔

اس لئے تو احناف نہ صرف حدیث کے ظاہری الفاظ اور عبارت النص سے استنباط کرتے ہیں بلکہ دلالۃ النص۔ اشارۃ النص اور اقتضاء النص کے دقیق اور غامض پہلو کو بھی استدلال میں نظر انداز نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جس کے استنباط واجتہاد اور صحیح استدلال کی عظیم وسعتوں کو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے "بڑے دریا" سے تعبیر کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ کا اظہار حقیقت | حضرت شاہ ولی اللہؒ رائے کے مفہوم ومصداق پر مفصل بحث کرتے ہوئے اپنی عظیم اور مایہ ناز کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں:-

بل المراد من اهل الرای قوم توجهوا بعد المسائل المجمع عليها من المسلمين او بين جمهورهم الى التخريج على اصل

بلکہ اہل الرائے سے وہ قوم مراد ہے جنہوں نے ان مسائل کے بعد جو تمام مسلمانوں میں یا جمہور کے درمیان اجماعی قرار پاچکے ہیں۔

من المتقدمین فکان اکثر امرھم حمل النظیر علی النظیر و الرد الی اصل من الاصول

متقدمین میں کسی شخص کے اصل پر مسائل کی تخریج کی ہو اور ان کا بڑا کام یہ رہا ہے ۔ کہ نظیر کو نظیر پر حمل کرتے رہے اور ان کو اصول میں سے کسی اصل کی طرف رد کرتے رہے ۔

حجۃ اللہ البالغہ صہ ۱۶۱ جلد ا

الغرض اکابر و اسلاف کی ان تحقیقات کی روشنی میں ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ " رائے کو فی نفسہ برا سمجھنا اہل الرائے کو احادیث کا منکر اور ان سے مستغنی قرار دینا ۔ اہل الرائے ہونے کو موجب تنقیص اور تصور کرنا ، نیز اہل الرائے ہونے کو صرف احناف ہی کے ساتھ خاص کرنا ۔ یہ نہ صرف کمال جہالت کا اظہار اور اپنے اکابر و اسلاف کے علوم و معارف کا انکار ہے بلکہ ایک اظہر من الشمس صداقت اور ایک عظیم حقیقت کا منہ چڑھانا ہے ۔

اہل الرائے کی کئی جماعتیں تھیں | جو جان بوجھ کر نہ دیکھنا چاہئیں انہیں کیونکر دکھایا جاسکتا ہے ۔ دیکھنے والوں نے تو امام شافعیؒ کو بھی " اہل الرائے " ہی دیکھا ۔ امام عجلیؒ نے امام شافعیؒ کو " اہل الرائے " لکھا ہے ۔ حافظ ابن حجر بھی رقمطراز ہیں ۔

فاجتمع لہ علم اھل الرای وعلم اھل الحدیث (توالی تاسیس صہ ۱۵ ۔ بحوالہ مقام ابی حنیفہ)

امام شافعیؒ میں " اہل الرائے " اور اہل حدیث دونوں کا علم جمع تھا ۔

ربیعہ کے بارے میں پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ وہ " ربیعۃ الرائے " کے لقب سے مشہور تھے مگر حنفی نہ تھے ابوبکر بن ایوب کی تصریح کے مطابق اہل الرائے کی کئی جماعتیں تھیں ۔

فقد رأینا جماعۃ من اھل الرای قد ذھبت و اضمحلت و مذھب ابی حنیفۃ باق

ہم نے دیکھا کہ اہل الرائے کی جماعت کے مذاہب تو ختم اور مضمحل ہوگئے ۔ مگر امام ابوحنیفہ کا مذہب باقی

(السھم المصیب صہ ۶۲)

مگر جو لوگ ۲ + ۲ کو بھی ۵ ہی کہتے ہیں اگر انہیں " اہل الرائے " کی کئی جماعتیں بھی ایک ہی جماعت نظر آتی ہے تو اس مرض کی تشخیص ، تعصب ، ضد ، عقل کے فتور اور ہٹ دھرمی سے تو کی جاسکتی ہے ۔ مگر اس سے ایک حقیقت کی تکذیب لازم نہیں آسکتی ۔

(باقی دارد)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

"بیو پرین" سلنڈروں میں مایع پیٹرولیم گیس اب کوئٹہ، کراچی اور سندھ و بلوچستان کے دیگر شہروں میں دستیاب ہے۔ ہوا ملی ہوئی مایع پیٹرولیم گیس کوئٹہ میں پائپ لائنوں کے ذریعے پہونچائی جاتی ہے۔

ADGROUP

ڈاکٹر محمد حنیف۔ پروفیسر شعبہ دینیات
اسلامیہ کالج پشاور

حضرت شیخ سعدی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۱۱۰۸ھ بمطابق ۱۶۹۶ء

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے دیگر ممالک کی طرح اس خطۂ ارض میں بھی دین اسلام کی اشاعت وحفاظت کا سہرا علماء و مشائخ کرام کے سر ہے۔ کیونکہ ہر دور میں مذہب و سیاست دونوں کے میدان میں قیادت انہیں حضرات نے فراہم کی ہے۔ اور خصوصاً طریقہ "علیہ" نقشبندیہ کے اکابرین نے تو اس سلسلے میں بڑی اہم اور گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

طریقہ نقشبندیہ کے بانی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند (المتوفی ۷۹۱ھ مطابق ۱۳۸۸ء) اگرچہ بخارا میں مقیم تھے مگر وہیں سے اپنے مریدین و متوسلین کے ذریعے ساری دنیا پر ضیا پاشی کرتے رہے۔ جہاں تک برصغیر کا تعلق ہے یہاں ناشر الطریقۃ النقشبندیہ فی الہند حضرت خواجہ باقی باللہ (المتوفی ۱۰۱۲ھ مطابق ۱۶۰۳ء) نے اس سلسلہ کی بنیاد رکھی اور آپ کے بعد آپ کے بے شمار بالواسطہ اور بلاواسطہ مریدین نے اس طریقہ کو بے حد مقبول بنایا۔

تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ جب یہاں پر خدمت اسلام کی کوئی تحریک اٹھی اس کی پشت پر انہیں گدڑی پوش، بوریا نشین حضرات کا سوز دروں کار فرما رہا۔ اور جب بھی گلشن اسلام کو تاراج کرنے کی کوئی سازش کی گئی تو یہی بندگان خدا سینہ سپر ہو کر میدان میں کود پڑے۔

اکبر کے دور میں جب الحاد و لادینیت کا سیلاب اُمڈا تو اس کا رخ پھیرنے کے لئے خواجہ باقی باللہؒ عزم و استقلال کا پہاڑ بن کر سامنے آ گئے۔ اور دربار اکبری کے لادینی رجحانات کے خلاف دیندار علماء کا ایسا مستحکم محاذ قائم کیا جس کے سامنے اکبر کے ملحدانہ نظریات کا فروغ ناممکن ہو گیا۔ خواجہ موصوف کے بعد ان کے فیض یافتہ مرید حضرت مجدد الف ثانیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۶۲۴ء) تلوار آبدار بن کر ایسے چمکے جس کی آب و تاب کے سامنے معاندین اسلام کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ آپ نے اکبر کے خود ساختہ دین کی بنیاد پر ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھر کر رہ گئیں۔

حضرت مجدد کے بعد ان کے خلیفہ سید السادات حضرت سید آدم بنوریؒ (المتوفی ۱۰۵۳ھ مطابق ۱۶۴۱ء)

آگے بڑھے ارشاد و ہدایت کا مسند بچھایا اور ایسے بے شمار مرید و عقیدت مند پیدا کئے جنہوں نے ملک کے گوشے گوشے میں رشد و ہدایت کے چراغ روشن کئے۔ اور نہایت پامردی سے دین اسلام کی اشاعت و حفاظت میں مصروف رہے[۱]

ان حضرات میں سے ایک حضرت شیخ سعدی لاہوریؒ کی ذات گرامی ہیں جنہیں حضرت سید آدم بنوریؒ کے خلفا میں نہایت بلند اور نمایاں مقام حاصل ہے۔

آپ کا نام سعدی، کنیت ابو عیسیٰ اور والد بزرگوار کا نام ابدال ہے۔ ۱۰۳۳ھ مطابق ۱۶۲۳ء امین آباد کے قریب ادی[۲] کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن پنجاب اور آبائی پیشہ کاشتکاری تھا[۳]

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ ماہنامہ الرشید (دار العلوم دیوبند نمبر) ۱۹۷۶ اور تحفظ و احیائے اسلام کی عالمگیر تحریک از مولانا مفتی محمود یا رود کوثر از شیخ محمد اکرم طبع ثانی ص ۱۲۶، ۱۲۷۔ اور Political Leader ship among Swat Pathans (P.H.D thesis Submitted by Fredrik Barth London 1970-72

[۲] امین آباد گوجرانوالہ کے شمال میں آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ قومی شاہراہ کے ساتھ ایک پختہ سڑک کے ذریعہ ملایا گیا ہے اور امین آباد ریلوے اسٹیشن سے صرف دو میل دور ہے۔ اس کو سیالکوٹ کے ایک مشہور راجپوت راجہ نے آباد کیا تھا۔ اصل قصبہ سید پور کے نام سے مشہور تھا۔ جو سولھویں صدی عیسوی میں شیر شاہ افغان کے ہاتھوں ویران ہوا اور اس کی جگہ شیر گڑھ کے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا گیا۔ بعد میں ہمایوں کے ایک جرنیل امین بیگ نے شیر گڑھ کو منہدم کرکے موجودہ شہر امین آباد تعمیر کرایا۔ اس شہر کی ایک مشہور تاریخی یادگار روڑی صاحب کا گوردوارہ ہے جس کے بارے میں خیال ہے کہ یہاں سکھوں کے روحانی رہنما گورونانک نے پتھروں کی روڑی کے ایک چبوترے پر اپنا بچھونا بچھایا تھا۔ یہاں پر ہر سال اپریل کے مہینے میں بیساکھی کا مشہور میلہ لگتا ہے۔ اور اس موقعہ پر سکھ زائرین کثیر تعداد میں ہندوستان سے پاکستان آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو District Sensus of Gujran Wala 1961 Chapter III

[۳] ظواہر اسرار کا جو نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے کتب خانہ میں موجود ہے اس کے صفحہ ۱۶۴ پر گاؤں کا نام "ادی" لکھا ہے جب کہ اس کتاب کے ایک دوسرے دستیاب نسخے میں "آدی" تحریر کیا گیا ہے۔ مگر چونکہ پنجاب اور ضلع گوجرانوالہ کی مردم شماری رپورٹ میں اس نام کا کوئی گاؤں موجود نہیں اور نہ کسی دوسرے ذریعے سے اس کی تائید ہو سکی۔ لہذا وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کرنا مشکل ہے کہ اس گاؤں کے نام کا اصل تلفظ کیا ہے۔ ممکن ہے مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ دیگر کئی بے شمار شہروں اور مقامات کی طرح اس گاؤں کا نام بھی بدل کر کوئی دوسرا نام رکھا گیا ہو۔ یا تغیرات انقلابات زمانہ کا شکار ہو کر اس کا نام و نشان ہی مٹ چکا ہو۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

آپ کی ولادت کے بارے میں دو صاحبان کشف و کرامت فقرار کی پیشین گوئی

حضرت سعدیؒ کی زندگی خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور عجیب و غریب واقعات کی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ آپ کے والد ماجد کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں میں بہت دولت مند تھا مگر چونکہ گھر میں اولادِ نرینہ نہ تھی اس لئے ہر وقت دل میں بیٹے کی فکر موجزن رہتی تھی۔ اور اس سلسلے میں ہمیشہ علما و فقرار سے دعا کی درخواست کیا کرتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک صاحب کرامت درویش آیا۔ میں اسے عزت و احترام سے گھر لے گیا حتی المقدور اس کی خدمت اور مہمانداری کے حقوق ادا کئے اور جب وہ جانے لگا تو اس سے بیٹے کے لئے دعا کی التجا کی۔ یہ سن کر اس بزرگ کے چہرے پر بشاشت و مسرت کے آثار نمودار ہوئے۔ اور ایک باکمال و سعادت مند فرزند کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا؛

"اللہ کی توفیق و تائید سے تیرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا جو اپنے آئینہ سر کو اخلاقِ ذمیمہ کی برائیوں سے پاک کرے گا اور اپنے چہرہ روح کو صفاتِ حمیدہ کے زیور سے آراستہ کرے گا تاآنکہ حدِ استقامت کے قریب ہو جائے گا اور اس کمال کے حصول سے صراط پہ گذرے اپنے لئے آسان کرے گا۔ اور اوصافِ کمال جو فضائلِ اخلاقِ انسانی کے اصول ہیں دس ہیں اور تمام اچھی صفات کی شاخیں انہی سے نکلتی ہیں۔ وہ دس اصول یہ ہیں:

علم۔ حلم۔ حیا۔ سخاوت۔ تقویٰ۔ شجاعت۔ عدل۔ صبر۔ صدق اور یقین۔ ان صفات کا کمال ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور میں نہیں پایا جاتا۔ انبیار، صلحا اور علمارِ دین سے ہر ایک کو ان حقائق کی مقدارِ حصول کی نسبت سے روحانیتِ احمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور تیرا بیٹا ان حضرات میں سے ایک ہوگا۔ جو ان صفات کے حقائق سے متصف ہوگا۔ اس کی ذات اللہ کی منظورِ نظر اور ذاتِ لامتناہی کی غایتِ عالیہ کی برگزیدہ ہو جائے گی وہ انسان کی شکل میں ایک فرشتہ ہوگا وہ اپنے دور میں بے مثل اور دنیا والوں کا رہبر ہوگا۔ طہارت و صفائی محبت و شوق اور رضا و توحید کی صفات اس پر غالب ہوں گی۔ اور ان صفاتِ کاملہ کے آثار ان کے زیبِ حال و استقبال اور نورِ جمال کا باعث ہوں گے۔ ان کی معرفت و شہودِ حال و استقبال کی قید سے آزاد ہوگی۔ ان کو فضارِ احدیت میں مسلسل اللہ کی ذات کا جلوہ حاصل رہے گا اور اس کو اسرار و حقائق کے معلوم کرنے کے لئے قیامِ قیامت کی ضرورت نہ ہوگی۔ بمصداق لَوْ كُشِفَ الغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ يَقِيْنًا [۱] وہ ہوگا کہ ان صفات کو بدرجہ کمال حاصل کرے گا۔ زمین و آسمان والے اس کے احکامِ سلطنت کے محکوم اور اس کے جلالتِ تصرف کے آگے مغلوب

بقیہ حاشیہ صد [۳] ملاحظہ ہو ظواہر السرائر (کتب خانہ شہر کوہاٹ)، ص ۲۱۸۔ جناب عبدالحلیم اثرؔ نے اپنی کتاب روحانی رابطہ کے صفحہ ۲۴۶ پر حضرت سعدی کا مقام پیدائش سرہند اور سن پیدائش ۱۰۰۳ھ بتایا ہے۔ مگر شیخ سعدی کے مرید حضرت میاں محمد عمر چمکنی المتوفی ۱۱۹۰ھ) کے فوق الذکر بیان سے مؤلف موصوف کی دونوں باتوں کی تردید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

[۱] یہ حضرت علی رضا کا مقولہ ہے ملاحظہ ہو رشحات عین الحیاۃ از واعظ کاشفی (قلمی) صفحہ ۲۳۵ کتب خانہ اسلامیہ کالج پشاور

ہوں گے۔ مشرق و مغرب اس کے نور ارشاد سے منور ہو جائیں گے اور اس کی ذات دنیا والوں کے لئے غنیمت ہو گی۔ اس کا نام "محمد صادق" یا "سعدی" رکھنا اور اس سے محبت رکھنا کیونکہ وہ کارگاہ ولایت کا مقبل اور بارگاہ الہٰی کا مقبول ہوگا[1]۔

فرماتے ہیں کہ جب سعدی حکم ایزدی سے ماں کے پیٹ میں قرار پائے اور ابھی چند ماہ کے تھے کہ ایک اور صاحب حال فقیر آیا۔ اس کو بھی اپنے ہاں ٹھہرایا اور اس کی خدمت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ میں نے اس سے بھی بیٹے کے لئے دعا کی درخواست کی۔ وہ یہ سنکر بہت خوش ہوا اور مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا۔

"سعدی مبارک ہو اور یہ ایک بیٹا ہے جو آپ کے ہاں پیدا ہوگا۔ اور منہج ہدایت کا سائیر۔ خطہ غایت کا ساکن۔ بساط رضا و شکر میں ملازم اور کفر و شر کے آثار کو مٹانے والا ہوگا۔ اگرچہ وہ جہلا کی نظر میں حقیر و بے مقدار ہوگا مگر درگاہ الہٰی میں بہت بڑا اور بزرگوار ہوگا۔ اگرچہ الوصفت اور کم بخت لوگوں کے نزدیک زید و بکر سے کم ہوگا۔ مگر در حقیقت وہ مسند تصرف۔ فیوض رسانی اور روحانی انفاس کی برکتوں کے پھیلانے کے لحاظ سے ایک پورا جہان ہوگا۔ اگرچہ دشمن اور مخالفین اپنی کم نظری اور کوتاہ بینی سے اس برگزیدہ شخصیت کی صورت بشری کو دیکھیں گے اور اس کو عالم صورت کا ایک مرد اور قید خانہ فطرت کا ایک قیدی شمار کریں گے۔ لیکن اس کی ذات لطیف زمین و آسمان کے صدف کا ایک موتی ہوگا۔ اس کے انفاس شریفہ پر دنیا اور دنیا والوں کے نظام کا مدار ہوگا۔ اس کے اچھے اخلاق و افعال کی متابعت اہل زمانہ کے لئے حصول ثواب کا سبب اور اس کی سنن مرضیہ کے آثار اہل زمانہ کے لئے رشد و ہدایت کی دلیل ہوں گے۔ اور اگرچہ بظاہر وہ ایک انسان ہوگا لیکن اسرار و معانی کی بلندی و عظمت کے لحاظ سے حقیقت میں ایک پورا عالم ہوگا۔ تیرا وہ بیٹا شاہان عالم حقیقت اور اساطین ارباب طریقت میں سے ہوگا۔ وہ ہمیشہ منازل صفا کو وفا کے قدموں سے سر کرے گا۔ اور نصائح کے تیشہ سے اہل جفا کے نفوس کی اراضی سے شقاوت کا کانٹا نکال لے گا۔ اور وہ اس دنیا والوں کے رہبر کے نصیبے کی برکت عاصیان دنیا کو شقاوت و بدبختی کے گڑھوں کی گہرائی سے نکال باہر کرے گا۔ اور اس مکمل کا فیض راہ سلوک کے مہجوران خاص کو سعادت کے درجہ کمال پر پہنچائے گا۔ اور وہ اپنے دور میں مجددین کا سربراہ اور کون و مکان کا زبدہ و خلاصہ ہوگا۔ اس کا نام سعدی رکھنا۔ اور اس کی سعادت مندی کا آفتاب ساری دنیا میں چمکے گا[2]۔

اللہ کی شان دیکھئے ان دو درویشوں کی پیش گوئی حرف بحرف تاہ سچ ثابت ہوئی۔ اور دنیا نے دیکھا کہ خدائے ذوالجلال نے واقعی آپ کو جلال و جمال کی تمام اوصاف سے مزین فرمایا تھا

---

[1] ظواہر السرائیر قلمی از میاں محمد عمر چکی متوفی ۱۱۹۰ھ۔ کتب خانہ شہر کوہاٹ ص ۱۶۵ [2] ایضاً ورق ۲۱۸

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

رہتاس میں آمد اور جنّ ولی کا ظہور خداوند کریم نے آپ کو نہایت تیز حافظہ عنایت فرمایا تھا۔ ابتداء سے لے کر آخر تک اپنی زندگی کے تمام حالات خود بیان کئے ہیں۔ چنانچہ اپنے زمانہ طفولیت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سفر کشمیر کے دوران جب سلطان جہانگیر (متوفی ۱۰۳۷ھ مطابق ۱۶۲۷ء) کا انتقال ہو گیا اور لوگ اس کی لاش کو لاہور لے جا رہے تھے۔ ہمارے گاؤں کے بہت سے آدمی اس کی لاش اور لاؤ لشکر کو دیکھنے کے لئے چل پڑے۔ میرے والد ماجد بھی مجھے کندھے پر بٹھا کر راستے کی طرف نکل آئے۔ اور اس وقت میری عمر تقریباً تین برس کی تھی [1]

حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ میرے نانا رہتاس [2] میں رہتے تھے اور میری نانی صوم وصلوٰۃ کی پابند ایک زاہدہ اور عابدہ و پرہیزگار خاتون تھیں میں پانچ برس کا تھا کہ وہ مجھے رہتاس لے گئیں اور جب میں اپنے ہم سن بچوں کے ساتھ قلعہ رہتاس سے باہر آتا تو میری نانی فرماتیں کہ قلعہ کے دروازہ کی جانب ایک لال برج ہے وہاں ایک جنّ ولی رہتا ہے اس طرف ہرگز نہ جانا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تجھ پر ظاہر ہو جائے اور تجھے اس کے دیکھنے کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے نقصان پہنچ جائے۔

سعدی فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے میں اس طرف جانے سے احتراز کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک رات میں پڑوس کے کئی لڑکوں کے ساتھ قلعہ سے باہر آیا۔ جب رات کا کچھ حصہ گذر چکا تو تمام لڑکے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور میں تنہا ایک پتھر پر بیٹھا رہ گیا۔ دریں اثنا دل میں یہ خیال آیا کہ اگر وہ جن ولی جو اس برج میں رہتا ہے اور میری نانی اکثر اوقات مجھے اس کے متعلق بتاتی ہیں اور اس طرف جانے سے روکتی ہیں۔ ظاہر ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔ یہ خیال آتے ہی اس برج سے روشنی نمودار ہوئی۔ اور ساتھ ہی نقارہ بجنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہاتھ میں عصا لئے دستار باندھے۔ سفید لباس میں ملبوس ایک معمر باشکوہ بزرگ ظاہر ہوئے۔ اور نہایت وقار و تمکنت سے آگے بڑھتے ہوئے میرے قریب آ پہنچے۔ میں نے ان کی جانب کوئی توجہ نہ دی۔ اور اپنے کام میں لگا رہا۔ وہ میرے پاس بہت دیر تک کھڑے رہے میں سمجھ گیا کہ وہ میرے حال کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ اس لال برج کی طرف روانہ ہوئے اور روشنی غائب ہو گئی۔ ان کے چلے جانے کے بعد مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اپنی خبر نہ رہی۔

---

[1] ظواہر السرائر۔ کوہاٹ ص ۲۲۳   [2] رہتاس (یا روتاس) ایک مشہور قلعہ ہے جس کا بانی شیر شاہ سوری تھا جہلم سے مغرب کی جانب ۱۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ تاریخ سلطانی ص ۲۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۷ ۵ ۵

جب آپ کی نانی تہجد کی نماز کے لئے اٹھیں اور آپ کو بستر پر نہ پایا تو نہایت اضطرار و اضطراب کی حالت میں تمام گھر والوں کو بیدار کر کے آپ کی تلاش شروع کر دی۔ بہت جستجو کے بعد ایک پتھر پر آپ کو مراقبہ اور استغراق میں پایا اور وہاں سے اٹھا کر گھر لے گئے۔

اس واقعہ کے بعد آپ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ ہر وقت ایسے مستغرق رہتے تھے کہ اپنی اور دوسروں کی قطعاً خبر نہ رہتی۔ اور جب دو تین روز بعد ہوش میں آتے تو صحرا کی طرف چل دیتے اور گوشۂ تنہائی میں مراقبہ میں مشغول ہو جاتے۔ کھانے پینے سے لاتعلق رہتے اور شدید گرمی کے موسم میں مراقبہ میں ایسے مستغرق ہوتے کہ سورج نصف النہار پر آ جاتا اور آپ شدت گرمی سے بے خبر ہوتے۔ اس استغراق کی حالت میں سانپ اور بچھو آپ کے بازوؤں کے ساتھ چمٹ جاتے اور جب آپ مراقبہ سے سر اٹھاتے تو سانپ اور بچھو آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے۔[1]

<u>ایمن آباد میں واپسی</u> آپ کی نانی اماں حتی المقدور آپ کو گھر سے باہر نہ جانے دیتیں مگر آپ موقعہ پا کر صحرا میں جا کر مراقبہ میں مشغول ہو جاتے۔ اکثر و بیشتر رات وہیں گذارتے۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کی نانی متردد و پریشان ہو جاتیں لہذا آپ کو لا کر والدین کے سپرد کر دیا۔ مگر وہاں بھی یہی کیفیت رہی۔ لوگوں سے الگ ہو کر صحرا میں چلے جاتے۔ ایک بار آپ حسب معمول صحرا میں تشریف لے گئے آپ کے والد ماجد تحقیق احوال کی خاطر آپ کے پیچھے چلے گئے اور کچھ فاصلہ پہ بیٹھ کر دیکھنے لگے۔ اتنے میں ایک بڑا سانپ آیا اور آپ کے والد ماجد کی پشت پر چڑھ گیا۔ اور اپنا سر ان کی گردن کے برابر سے نکالا۔ یہ دیکھ کر ان پر ہیبت طاری ہو گئی اور بے اختیار ہو کر زور زور سے چلائے۔ حضرت سعدی نے مراقبہ سے سر اٹھا کر پیچھے دیکھا اور جونہی آپ ان کی طرف نگاہ ڈالی تو سانپ اتر کر صحرا کی جانب چل دیا یہ حالات دیکھ کر آپ کے والد نے کہا کہ میرے دل میں جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا وہ دور ہو گیا ہے۔ اور تم پر جو جذبہ شوق الٰہی غالب ہو گیا ہے سو تم جہاں چاہو رہو۔ اور تمہارے ذمے جو میرے حقوق تھے وہ میں نے معاف کر دئے۔

ایمن آباد سے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک گنجان جنگل واقع تھا۔ جہاں جنگلی جانور اور درندے بکثرت رہتے تھے جب آپ کی عمر سات برس کی ہوئی تو اس جنگل میں جا کر مسلسل کئی دن رات گذار دیتے۔ سانپ آتے اور آپ کے سر اور بازوؤں سے لپٹ جاتے اور جنگلی جانور آپ کے گرد حلقہ باندھ کر جمع ہو جاتے۔

آپ کے والد ماجد کا بیان ہے کہ جب چند دن گذر جاتے اور آپ گھر نہ آتے تو شوق دیدار سے مجبور ہو کر میں اس خطرناک جنگل میں چلا جاتا۔ وہاں جا کر دیکھتا کہ جنگلی جانور اور درندے ان کے گرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں اور آپ ان کے درمیان یاد الٰہی میں مصروف اپنے خالق و مالک کے ساتھ لو لگائے ہوئے ہیں۔ جب آپ مراقبہ سے

---

[1] ظواہر السرائر (کوہاٹی) ص ۱۶۸ تا ۱۷۰

سر اٹھاتے اور مجھ پر آپ کی نظر پڑتی تو آداب فرزندانہ بجا لاکر بہت زیادہ منع کرتے اور فرماتے کہ

"درچنیں محل مہیب وہولناک نمی آمدہ باشید مبادا از ایں سباع ووحوش شمارا آسیبی وگزندی رسد۔"[1]

ترجمہ۔ ایسی خوفناک وہولناک جگہ میں نہیں آنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ درندوں اور جنگلی جانوروں سے آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

شیخ سعداللہ وزیر آبادی کی معیت میں سید آدم بنوری کی خدمت میں پہلی بار حاضری

حضرتِ سعدی کو کم عمری میں حضرت سید آدم بنوری کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میری عمر آٹھ یا نو برس کی تھی۔ کہ ایک روز میں جنگل سے باہر آیا اور گاؤں کے قریب ایک کنوئیں کے کنارے وضو کرنے لگا تھے میں مولانا سعداللہ وزیر آبادی۔ سید آدم بنوری کی ملاقات کی غرض سے فقراء کی ایک جماعت کے ہمراہ اس راستے سے گزرے۔ جب مجھے وضو کرتے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اپنے احباب ورفقاء سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس کم عمری میں یہ بچہ کتنی احتیاط کے ساتھ وضو کر رہا ہے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ یہیں رہتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ چل پڑے تو میں نے سید موصوف کے بعض دوستوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سعداللہ وزیر آبادی ہیں۔ اور اپنے پیر کے حضور بنور جاتے ہیں۔ بنور کا نام میرے ذہن میں پہلے سے موجود تھا۔ چنانچہ چند دن گذرنے کے بعد جذبۂ شوق الٰہی اور محبت باطنی نے مجھ پر غلبہ پالیا۔ چنانچہ میں بھی حضرت بنور کی جانب روانہ ہوا۔ دریائے لدھیانہ کے قریب حاجی سعداللہ کی جماعت سے جاملا۔ بنور پہنچ کر سید آدم بنوریؒ کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ سید آدم بنوری نے سعداللہ وزیر آبادی سے ہر فقیر کے متعلق علیحدہ علیحدہ دریافت کیا۔ آخر میں میری باری آئی تو پوچھا یہ لڑکا کون ہے مولانا سعداللہ نے فرمایا کہ یہ بچہ بھی ہمارے ہمراہ آیا ہے اور عجیب وغریب احوال ومعاش کا مالک ہے۔ جیسے راستے میں نہ تو کھانے پینے کی طرف رغبت ظاہر کی نہ فقراء کے ساتھ میل جول رکھا اور ہر وقت ذکر وفکر میں مشغول رہتا ہے یہ سن کر حضرت سید آدم بنوری نے مولانا موصوف سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"مگوئید کہ ایں پسر ہمراہ من آمدہ است بلکہ گوئید کہ ما ہمراہ ایں پسر آمدہ ایم۔ وایں پسر سعادت مند ازلیست ومقبول لم یزلی اگر بروز حشر ونشر حق سبحانہ شمارا بخشد بطفیل یہ خواہد بود کہ چنیں مردی بہ رفاقت شمار دریں جا رسیدہ است۔"

(یعنی مت کہو کہ یہ لڑکا ہمارے ہمراہ آیا ہے بلکہ یہ کہو کہ ہم اس لڑکے کے ہمراہ آئے ہیں یہ لڑکا ازل سے سعادت مند اور خداوند لم یزل کی درگاہ میں مقبول ہے اگر قیامت کے دن خدا تم کو بخش دے تو اس بچہ کے طفیل

---

[1] ظواہر السرائر (پنجاب یونیورسٹی لاہور ص ۲۴۰

بخشے گا۔ کہ ایسا آدمی تمہاری رفاقت میں آیا ہے"۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سید آدم بنوریؒ نے مجھے بلا کر پوچھا۔

"تیرا نام کیا ہے؟" میں نے کہا "سعدی"۔

یہ سن کر مبارک باد دی اور فرمایا جہاں کہیں بھی رہو تم سعدی ہو اور جہاں کہیں بھی جاؤ تم سعدی ہو اور پھر مکرر فرمایا سعدی! سعدی!! سعدی!!! جس کسی کو ازل نے سعادت مند بنا دیا ہے وہ ہر وقت اور ہر گھڑی سعادت مند ہے[۱]

---

[۱] ظواہر السرائر، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ص ۱۴۱۔

سعدی نام کی تحقیق۔ جناب عبدالحلیم اثر اپنی کتاب "روحانی تعلقات" میں شیخ سعدی کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ سعدی کا اصل نام سعد اللہ تھا۔ مگر ان کے پیر ازراہ پیار و محبت ان کو "سعدی" کہہ کر مخاطب کرتے تھے موصوف کا یہ بیان محل نظر ہے اس لئے کہ اپنے پیر سید آدم بنوری کے ساتھ جب آپ کی پہلی بار ملاقات ہوئی۔ جب کہ آپ ابھی حلقہ مریدین بھی شامل نہیں ہوتے تھے۔ اور حضرت سید آدم بنوری حضرت سعدی سے نام کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ تو آپ جواب دیتے ہیں کہ میرا نام "سعدی" ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے کہ جب سعدی کے والد نے یکے بعد دیگرے دو صاحبان احوال فقراء سے بیٹے کے لئے دعا مانگنے کی درخواست کی تو انہوں نے دعا کے بعد نہ صرف ایک سعادت مند بیٹے کی بشارت دی بلکہ خود اس موقعہ پر اس کے لئے نام بھی تجویز فرمایا اور ہدایت کی کہ "نام وی را سعدی گذاری" یعنی اس کا نام سعدی رکھنا۔ ظاہر ہے کہ شیخ سعدی کے والد بزرگوار اپنے بیٹے کو جن فقراء کی دعا کا نتیجہ سمجھتے ہیں ضرور انہیں کا تجویز کردہ نام رکھا ہوگا۔

راقم الحروف کے نزدیک یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "بلخاری" کی بھی وضاحت کی جائے۔ اس لئے کہ حضرت میاں صاحب چہکی نے اپنی کتاب "ظواہر السرائر" میں اپنے مرشد حضرت سعدی کے حالات کو نہایت تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ اس طرح ایک اور معاصر عالم اور سعدی کے پیر بھائی محمد ابن بدخشی نے بھی اپنی کتاب "نتائج الحرمین" (قلمی) میں آپ کے حالات تحریر فرمائے ہیں۔ مگر دونوں کتابوں میں سعدی کے ساتھ "بلخاری" کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

متاخرین تذکرہ نگاروں میں غالباً سب سے پہلے مفتی غلام سرور لاہوری نے سعدی کے ساتھ لفظ "بلخاری" کا اضافہ کیا ہے اور اس کے ایک اور معاصر تذکرہ نگار مولوی نور احمد چشتی نے اپنی کتاب "تحقیقات چشتی" میں اس کا اتباع کیا ہے لیکن دونوں حضرات نے جن مصادر سے استفادہ کیا ہے ان میں سے دونوں قابل ذکر ماخذ یعنی "ظواہر السرائر"

اس گفتگو کے بعد حضرت سید آدم بنوری نے آپ کے ساتھ نہایت محبت و شفقت کا اظہار کیا۔ ذکر باطنی کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ مند کیا۔ اور بعد ازاں اپنے حرم محترم میں لے جا کر نوازشات بے غایات سے سرفراز فرمایا۔ حضرت سعدی اس ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"پس غایت ہائے بے شمار و تلفظات بسیار کرد و ہمراہ خود بہ حرم محترم برد و بہ اہل حرم ہم مخاطب شدہ فرمود کہ امروز کودک خورد سال صالح، سعادت مند ازلی رسیدہ است کہ بہ غایت نیکوس نماید و درین اوان طفولیت و خورد سالی بہ صحبت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مشرف و معزز و مکرم است و حضرت فاطمۃ الزہرا وی را بہ فرزندی قبول کردہ است و کار او بہ غایت عجیب و معاملہ غریب است"[1]

ترجمہ: پس بہت زیادہ لطف و کرم فرمایا اور اپنے حرم محترم میں اپنے ساتھ لے گیا۔ اور اہل خانہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آج ایک صالح سعادت مند ازلی چھوٹا بچہ پہنچا ہے۔ کہ بہت ہی اچھا معلوم ہوا اور اس بچپن کے زمانے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہے۔ اور حضرت فاطمۃ الزھرا رضٰ نے ان کو اپنی فرزندی میں قبول کر لیا ہے اور ان کا کام اور معاملہ بہت ہی عجیب و غریب ہے۔

شیخ اسداللہ لاہوری کے ہمراہ حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں دوبارہ حاضری

سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد حضرت سعدی نے ملازمت اختیار فرمائی۔[3] ایک دن اپنے آقا کے ہمراہ شیخ اسداللہ لاہوری[4]

بقیہ حاشیہ صفحہ

اور "نتائج الحرمین" میں اس کا کہیں ذکر نہیں آیا

سی۔ اے۔ شوری اپنی کتاب پرشین لٹریچر میں لکھتا ہے کہ اصل میں یہ لفظ "بخاری" ہے۔ مگر تاریخ وفات کا جملہ لکھتے وقت ضرورت کی بنا پر حرف "ل" کا اضافہ کر کے "بلخاری" میں تبدیل کیا گیا ہے۔

مؤلف موصوف کی یہ توجیہہ بھی درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ "خزینۃ الاصفیا" کے مصنف مفتی غلام سرور لاہوری نے نہ صرف قطعہ تاریخ میں بلخاری کا لفظ استعمال کیا ہے بلکہ کتاب کے عنوانات کی فہرست میں بھی شیخ سعدی بلخاری لاہوری لکھا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ عنوان تاریخ وفات کی نشاندہی کے لئے قائم نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی اس سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک حقیقت کو بگاڑ کر اس کو دوسرے بے معنی لفظ میں تبدیل کرنے کے بغیر بھی مؤلف موصوف قطعہ تاریخ وفات لکھنے پر قادر تھے۔ اور ان کی کتاب میں بے شمار قطعات تاریخ اس پہ شاہد ہیں۔ اس لئے میرے خیال میں اس سلسلے میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی خدمت میں حاضری دی۔ شیخ اسد اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے سعدی کے آقا نے طریقہ مروجہ کے مطابق سلوک و طریقت میں تلقین حاصل کی۔ اس کے بعد کہا کہ میرے نوکر کو بھی اس طریقے کی تلقین کیجئے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ تلقین کے بعد وہ بے شعور ہوا اور چند روز تک استغراق میں مست پڑا رہا اور جب میں اس پہ متصرف ہونے سے قاصر ہوا تو مجبوراً اسے حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں لے گیا اور اس روز سے آپ مستقلاً حضرت آدم بنوری کی صحبت و تربیت میں رہ کر ترقی کے منازل طے کرتے رہے۔

شیخ اسد اللہ لاہوری کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"چوں حال او بہ کمال ترقی گرفتہ بود و در خود قوت آں نہ دیدم کہ بر آمست صرف شوم ناچار پیش مرشدی خلیفہ الزمان آوردم ایشان چوں مریدان مرا دیدند ہر یک را احوال پرسی کردند و شیخ سعدی را ہیچ نہ گفتند روزی فرمودند یا اسد اللہ در یاران تو ایں پسر خوب صاحب استعداد است و تربیت او برماست از اں روز در تربیت آں حضرت بودہ و روز بروز ترقی مے کرد[1]"

ترجمہ۔ چونکہ اس کا حال ترقی کی منزل تک پہنچ گیا تھا۔ میں نے اپنے اندر وہ طاقت نہ پائی کہ ان پر متصرف ہو جاتا مجبوراً اپنے پیر و مرشد خلیفہ الزمان (حضرت سید بنوری) کے پاس لے آیا۔ آپ نے میرے مریدوں کو دیکھا تو ہر ایک کا حال پوچھا اور شیخ سعدی کے بارے میں کچھ نہ کہا۔ ایک دن مجھے فرمایا کہ اے اسد اللہ! تیرے دوستوں میں یہ لڑکا بہت صاحب استعداد

بقیہ حاشیہ صفحہ

[1] ظواہر السرائر (لاہور) ص ۲۴۱)

[2] شیخ سعدی نے نوکری کس کے ہاں کی۔ اس بارے میں مستند معلومات دستیاب نہ ہو سکیں۔ ظواہر السرائر اس سلسلے میں خاموش ہے۔ گو نتائج الحرمین میں نوکری کا ذکر تو کیا گیا ہے مگر آقا کا نام نہیں بتایا گیا۔ شیخ اسد اللہ نے بھی اپنے بیان میں صرف "آقا" لفظ استعمال کیا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء میں نوکری کا کوئی ذکر نہیں البتہ صاحب تحقیقات چشتی نے شیخ سعدی کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ "آپ ابتداء میں شاہجہان کی فوج میں ملازم تھے"۔ کسی دوسرے مستند ذریعہ سے اس کی تائید نہ ہو سکی۔ لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ آپ شاہجہاں کی فوج میں ملازم رہے۔ کیونکہ زمانہ ایک ہے اور تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ شاہجہان اور اورنگ زیب کی فوج میں بڑے بڑے صاحب طریقت بزرگ ملازم رہے ہیں

[3] شیخ اسد اللہ لاہوری، سید آدم بنوری کے محبوب مقبول احباب میں سے تھے اور اپنے دور کے مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ مفصل حالات ملاحظہ ہوں نتائج الحرمین (قلمی) مولانا محمد امین چشتی ۱۱۴۱ھ ص ۱۹۹ تا ۲۰۳

باقی ص ۱

[4] ملاحظہ ہو نتائج الحرمین از مولانا محمد امین چشتی ص ۱۹۹ تا ۲۰۳

حضرت مولانا محمد علی سواتیؒ

چند تعزیتی پیغامات

● مولانا محمد علی سواتی صاحبؒ کا اخبار میں پڑھ کر سخت رنج ہوا پرانے بادہ کش اٹھتے جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ رحم فرماوے۔ (سعید الرحمان علوی۔ مدیر خدام الدین۔ لاہور۔)

● ابھی ابھی حضرت الاستاد مولانا محمد علی کی وفات کی خبر اخبار میں پڑھی حد درجہ صدمہ ہوا۔ باری تعالیٰ مرحوم کو جنّت الفردوس میں جگہ دے۔ (مولانا اخوند زادہ عبد القیوم حقانی۔ دار العلوم حنفیہ چکوال)

● حضرت اقدس مولانا محمد علی صاحب مرحوم کے انتقال پُرملال سے بذریعہ اخبار اطلاع پہنچی حضرت مرحوم کی وفات پورے ملک بالخصوص دار العلوم حقانیہ کیلئے ایسا زبردست نقصان ہے جس کا تدارک "تلافی شاید مشکل ہو وہ ایک مخلص متقی باعمل عالم فقیہ تھے۔ دار العلوم کے جملہ اراکین خصوصاً حضرت شیخ الحدیث کو اللہ تعالیٰ صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ ادارہ کے لئے غیب سے متبحر متقی علماء کرام کا انتظام فرمائے۔ تمام اراکین مدرسہ کی طرف سے مضمون واحد ہے۔ (مولانا فضل اللہ مہتمم دار العلوم اسلامیہ لکی مروت۔)

● اخبار سے حضرت مولاناؒ کی رحلت کا علم ہوا۔ اس خبر سے کراچی کے فضلائے حقانیہ کی صفوں میں غم کی لہر دوڑ گئی یہ قانون الٰہی ہے کسی کی موت سے صرف اقارب مغموم ہوتے ہیں کسی کی موت سے پوری دنیا مغموم ہوجاتی ہے۔ موت العالِم موت العالَم۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس کے اعلیٰ مقامات عطا فرماوے۔ (مولانا حسین احمد حقانی صدر تنظیم فضلائے حقانیہ مقیم۔ کراچی۔)

● حضرت مفتی محمودؒ کی وفات سے ساری خوشیاں غم میں بدل گئی تھیں کہ کل ۲۰ر نومبر کو ریڈیو پاکستان سے یہ منحوس خبر سنی کہ جناب مولانا محمد علی استاذ دار العلوم کا انتقال ہوگیا۔ تو غم میں اور اضافہ ہوگیا۔ اکابرین کی مسلسل کمی ایک عظیم سانحہ ہے۔ کیونکہ پاکستان اور برصغیر میں اسلام کی بقاء ان بزرگوں کے مساعی سے ہے۔ ہم علماء باجوڑ ایجنسی خار اور علماء فضلاء حقانیہ خصوصاً تعزیت پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ (مولانا محمد شعیب حقانی راغہ ثان باجوڑ۔)

● اخبار مشرق میں استاذی المحترم مولانا کے انتقال کی وحشت اثر خبر سے از حد صدمہ ہوا۔ عجیب بے نفس اور علمی عملی کمالات کے مجسمہ تھے۔ اتنے گہرے اور وسیع علم کے باوجود سادگی ان کا طرۂ امتیاز تھی سبیہ کار کو اپنی طالب العلمی کے دوران ان کے بعض ایسے خصائص ورع و تقویٰ کے معلوم ہوئے کہ اس دور میں وہ عنقا ہیں۔ رب کریم بال بال مغفرت فرمادے۔ مدرسہ انوار القرآن نوشہرہ میں ان کے ایصال ثواب کیلئے کلام مجید پڑھا گیا۔ دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرمادے۔ دارالعلوم کے چار وانگ عالم میں مقبولیت ومحبوبیت میں حصہ جہاں حضرت اقدس شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی سرپرستی کا ہے وہیں یہ ایسے مخلص وعظیم مدرسین کی خاموش محنت و دعائیں بھی ہیں۔ اللھم لا تحرمنا اجرہ۔ الخ (مولانا احمد عبدالرحمان صدیقی، خدام الدین نوشہرہ صدر)

● مادر علمی حقانیہ کے مشفق ترین استاذ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی رحلت کی روح فرسا خبر سے دل بیٹھ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت المحترمؒ کیا گئے کہ اپنی وہ تمام خوبیاں ساتھ لے گئے جن میں آپ منفرد تھے۔ میں نے دنیا بھر میں ان کی طرح بے نفس عالم دین نہیں دیکھا۔ بہترین مدرس ہونے کے باوجود خود پنداری کا گذر آپ کے ہاں لمحہ بھر بھی نہیں ہوا۔ سادگی میں آپ اسلاف کا واحد نمونہ تھے، محنت اور جفاکشی میں دور دور تک آپ کی نظیر نہیں ملتی۔ وفاشعاری تو خود آپ کے سامنے ہے کہ حقانیہ پہنچے تو پھر حقانیہ کے ہوکر رہ گئے۔ ؏

جان بھی دے دی جگر نے آج ہائے یار پہ   عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

جی چاہتا ہے کہ حضرت مرحوم پہ دل کھول کر روؤں اور حضرت کے سوانح پہ بھی لکھوں مگر دل ہی دل سے یہ آواز اٹھتی ہے کہ ؏ اس کے سوا اور کیا پیشکش حسن دوست   اک دھڑکتا سا دل اک لرزتی سی آہ

حضرت والد صاحب عم محترم اور برادرم قاضی محمد نسیم صاحب تعزیت پیش کرتے ہیں۔ حضرت شیخ مدظلہم اللہ تمام اساتذہ کرام اور پورے دارالعلوم سے دلی تعزیت عرض ہے۔ (مولانا عبدالحلیم مدرسہ نجم المدارس کلاچی۔)

● میں مرحوم استاد مولاناؒ کے مزار پرانوار پہ آپ کی واپسی کے بعد پہنچا۔ دارالعلوم کو تعزیت کیلئے حاضری ضروری سمجھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دارالعلوم کیلئے ہر کمی کے عوض نعم البدل اور خوب کامیابی دے۔ (مولانا فضل عظیم اسد حقانی مدرس مظہر العلوم اوچ دیر۔)

● سخت صدمہ پہنچا۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے (قاری فیوض الرحمان۔ ایبٹ آباد)

● المناک خبر سن کر بے حد دکھ ہوا۔ (کفایت اللہ گیلانی حقانی، درابن ڈیرہ اسماعیل خان)

● جمعیۃ الطلباء اسلام ضلع مردان کی مجلس شوریٰ کا تعزیتی اجلاس ہوا۔ مولانا محمد نعیم حقانی اور مولانا محمد ادریس ایم اے حقانی نے تقاریر کیں اور اظہار تعزیت کیا۔ (محمد نعیم شریک دورہ حقانیہ)

(جاری ہے۔)

ترتیب : مولانا عبدالرشید صاحب

تزکیۂ نفس

ملفوظات مشائخ کرام

★ اپنے عمال کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کی کسوٹی پر پرکھیں۔ اگر وہ اعمال شریعت کے مطابق ٹھیک ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرمائے گا۔ اگر وہ شریعت کے مطابق نہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں رد کر دے گا۔ لہٰذا ہر کام کی جڑ شریعت کی حفاظت ہے اور اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود کے اندر رہنا ہے۔ (ایضاً)

★ علمائے کرام کی خدمت کریں اور ان کے ساتھ میل و جول رکھیں۔ کیونکہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے چراغ ہیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ۔ (علماء حضرت انبیاء کے وارث ہیں) اور اے دوستو! کبھی بھی علم اور علمائے کرام کی دوستی کو دل سے نہ نکالیں۔ تاکہ دونوں جہان میں فلاح پائیں۔ (ایضاً)

★ دنیاداروں کی صحبت سے دور رہیں۔ اور جاہلوں سے دور بھاگیں ؎

ببر از جاہل ارچہ خویش باشد — کہ رنج او ز راحت بیش باشد

یعنی جو شخص دین سے جاہل ہو۔ اس سے تعلق توڑ لو۔ اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس سے جو رنج پہنچے گا وہ راحت سے زیادہ ہوگا۔ (ایضاً)

★ "مجلس سماع" یعنی گانے اور ناچنے والوں کی مجلس میں نہ جائیں۔ اور ان کے ساتھ نہ بیٹھیں کیونکہ اس ٹولہ کی صحبت دل کو مُردہ کر دیتی ہے۔

★ تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنا شعار بنائیں اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل و جان سے پیروی کریں۔ اپنے "احوال" کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھیں۔ اگر وہ موافق سنت ہیں تو قابل قبول ہیں۔ اگر سنت کے برخلاف ہیں تو مردود ہیں۔ (حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید)

★ اہل سنت والجماعت کے عقیدوں کو اپنانے کا التزام کریں۔ (ایضاً)

★ حدیث شریف اور فقہ کا علم حاصل کریں اور اس علم پر عمل کریں۔ ″

★ علمائے کرام کی صحبت میں رہ کر آخرت کا ثواب حاصل کریں۔ ″

باقی صفحہ ۶۸ پر

ادارہ

تعارف و تبصرہ کتب

سوانح قاسمی (تین حصے)

تالیف: مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم

ناشر: مکتبہ رحمانیہ۔ اردو بازار۔ لاہور

کل صفحات ۱۳۲۰ ــــ قیمت ۱۳۵/- روپے ــــ طباعت و جلد بندی معیاری

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ناکام ہوگئی اور برصغیر پر ایک ایسی قوم مسلط ہوگئی جو سات سمندر پار سے تجارت کی غرض سے یہاں آئی تھی۔ یہ قوم اپنے ساتھ ایک نئی تہذیب لائی۔ اور برصغیر کی معاشرتی زندگی کو اپنے فلسفہ اور تصورات کے مطابق ڈھالنے کے لئے کوشاں رہی۔ جدید نظام تعلیم کے ذریعے "دیسی انگریز" تخلیق کئے گئے اور فکری سطح پر ایمان و یقین میں خلفشار پیدا کرنے کی منظم کوششیں کی گئیں۔ ان حالات میں برصغیر کے مسلمانوں کو جن چند افراد نے دین سے پختہ طور پر وابستہ رکھنے کا فریضہ انجام دیا۔ اُن میں سے ایک حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۱۲۴۸ھ - ۱۲۹۷ھ کی ذات گرامی تھی۔ مولانا مرحوم کی علمی اور دینی خدمات میں سے ایک " دارالعلوم دیوبند" ہے جس کا فیضان برصغیر سے پھیل کر افریقہ اور ایشیائی مسلم ممالک میں پہنچ چکا ہے۔ مولانا نانوتویؒ ایک صاحب علم عالم کے ساتھ ساتھ مجاہد فی سبیل اللہ بھی تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں بہ نفس نفیس حصہ لیا تھا۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وفات کے فوراً بعد مولانا محمد یعقوب نے ایک کتابچہ "سوانح عمری سیدنا امام الکبیر حضرت شمس الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب" کے نام سے مرتب کیا تھا۔ اس کے بعد فیضان قاسمی کے کئی مستفیدین نے ان کی جامع سوانح حیات ترتیب دینے کی کوشش کی مگر ہر بار کوئی نہ کوئی حادثہ ان کاوشوں پر پانی پھیرتا رہا پچیس سال پہلے تک مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت زندگی پر چند مختصر تحریروں کے سوا کوئی جامع کتاب شائع نہ ہو سکی۔ اس کمی کو پورا کرنے کی خاطر مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے "سوانح قاسمی" لکھنا شروع کی۔ کتاب کے پہلے دو حصے مؤلف کی زندگی میں شائع ہوئے۔ اور تیسرا حصہ مؤلف کی وفات کے بعد چھپا۔

"سوانح قاسمی" مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مستند سوانح عمری ہے اس پر دارالعلوم دیوبند کے تین اہم افراد مولانا محمد ابراہیم بلیاوی۔ مولانا اشتیاق احمد اور مولانا قاری محمد طیب۔ نے نظر ثانی کر کے مناسب اصلاح و اضافہ

گیا ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ صاحب سوانح کی ذاتی اور عائلی زندگی پر محیط ہے۔ دوسرے حصہ میں خدمات اور اصلاحات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور تیسرا حصہ مولانا نانوتویؒ کی آخری دس سالہ زندگی کا مرقع ہے۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے اپنی تالیف کے ساتھ صاحب سوانح کی پہلی سوانح عمری (مولفہ مولانا محمد یعقوب) بھی شامل کر دی تھی۔ مولانا قاری محمد طیب نے مقدمہ اور افتتاحیہ لکھا ہے۔

"سوانح قاسمی" گذشتہ کئی سال سے نایاب تھی۔ مکتبہ رحمانیہ کے کارپرداز لائق مبارکباد ہیں۔ کہ انہوں نے پہلے ایڈیشن کا عکس لے کر خوبصورت انداز سے کتاب شائع کی ہے۔ اور شائقین کی ضرورت پوری کی ہے۔

(اختر راہی)

بقیہ: تزکیہ نفس

★ عبادت و ذکر خدا تعالیٰ میں سرگرم رہیں ایضاً
★ آج کے کام کو آج ہی کرلیں اسے کل کے لئے ملتوی نہ کریں۔ "
★ اپنے سب کام اللہ تعالیٰ کو سونپ دیں۔ "
★ عنایت فقراء کا سرمایہ فارغ البالی اور جمعیت خاطر ہے۔ "
★ قناعت اختیار کریں۔ حرص و طمع کو دل سے نکال دیں۔ "
★ کسی کو بھی حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اپنے آپ کو سب سے کمتر اور چھوٹا جانیں۔ ایضاً
اپنی طاعت و عبادت کا گھمنڈ نہ کریں۔ "دیدۂ قصور و نیستی" کو اپنا سرمایہ بنائیں۔ "
★ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا مجاور بننا۔ قبروں کی مجاورت سے بہتر ہے۔ اور رسوم متعارفہ "عرس و چراغاں کے مقید نہ بنیں۔ ایضاً
★ ہر صحیح حدیث جو نظر سے گذرے حتی المقدور اس پر ہمیشہ عمل کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ جس قدر ہو سکے اس پر عمل کرلیں خواہ زندگی میں ایک بار ہی ہو تاکہ اس کے نور سے محروم نہ رہیں۔ ایضاً
★ جہاں رہیں باخبر رہیں۔ ایضاً
★ جس حد تک ہو سکے نیک و بد کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں اگرچہ کتنا بااتی ہی ہو "
★ سورہ لایلاف ایک سو بار یا گیارہ مرتبہ اول آخر درود شریف پانچ مرتبہ۔ نماز فجر کے بعد پڑھنا، دفع شر کے لئے مجرب ہے
★ اس طریقہ کے حضرات کے کام کا مدار استقامت پر ہے جو کرامت سے بڑھ کر ہے۔ ایضاً

BERGER BERGER BERGER
BAY OF BENGAL
INDIAN OCEAN
روبیالیک
برجر
کے
مشہور زمانہ
پینٹ
برجر ۔ پینٹس تیار کرنے والا ایک بین الاقوامی ادارہ جس کے ۲۵ ممالک میں پینٹ بنانے کے ۶۴ کارخانے قائم ہیں۔ برجر کے ۶ کارخانے اعلیٰ معیار کے پینٹس اور پینٹ سے دوسری منسلک مصنوعات بنانے اور فروخت کرنے کے لئے وقف ہیں۔
برجر گروپ کی بین الاقوامی ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے برجر پینٹس پاکستان لمیٹڈ آپ کے لئے روبیالیک کے نام سے اعلیٰ معیار کے دیدہ زیب اور خوشنما پینٹس کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے اسپیشلائزڈ کوٹنگز، انڈسٹریل اور میرین پینٹس تیار کرتا ہے۔
برجر پینٹس پاکستان لمیٹڈ

sasa-80

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کی
سفید
اریڈیم پلیٹڈ
نب کے
ساتھ،
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE
IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی
نکھارتے ہیں۔
مرد و زن دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں حسین کے پارچہ جات
شہر کی ہر بڑی دکان پر
دستیاب ہیں۔
HUSEIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سہراب

قومی جہاز رانی کی بہتر سہولت کے لئے

پی این ایس سی

اپنے بیڑے میں ایک نئے جہاز کا اضافہ کر رہی ہے

ایم - وی - مالاکنڈ

پاکستانی شپرز کو معیاری اور فوری سروس مہیا کرنے کے لئے پی این ایس سی
نے اپنے بیڑے کو جدید بنانے کا منصوبہ تیار کیا ہے۔
ایم۔ وی۔ مالاکنڈ۔ ایک جدید کنٹینر بردار جہاز۔ اسی سلسلے کی کڑی ہے۔
پی این ایس سی اپنے بیڑے میں اس جہاز کی شمولیت کے بعد جہاز رانی
کے میدان میں زیادہ مؤثر طریقے سے قوم کی خدمت کا عزم رکھتی ہے۔

پی این ایس سی ۔ قومی جہاز راں کمپنی

جہاز کا نام :- ایم۔ وی۔ مالاکنڈ
ٹائپ :- مال بردار جہاز
کل وزنی استعداد :- ۱۸،۲۲۴ ٹن (ڈیڈ ویٹ)
رفتار :- ۱۶ء۵ ناٹ
کینٹینرز کی استعداد :- ۲۹۰ ٹی ای یو (ٹوئنٹی ایکوئیولنٹ یونٹس)

PNSC
پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن

Pareg © 80 PNSC-3

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
EAGLE
IRIDIUM
ہر
جگہ
دستیاب
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں،
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی،
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حسین کے پارچہ جات،
شہر کی ہر بڑی دکان پر،
دستیاب ہیں۔
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن
HTM—1/77
(CCI) Crescent

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سُہراب